لیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے۔ کتاب ... ہو نہ ہی خراب ہو ورنہ کتاب ... جلد کرانا وصول کیا جائیگا
Ph. 068-5704367

پہلا حصہ

جب وہ پتھر موم ہوا

نازیہ کنول نازی

جس نے رکھا ہے مجھے' اپنی نگہبانی میں
اب سنبھالے گا وہی' بے سرو سامانی میں
ایسا لگتا ہے کہ تو' دیکھتا رہتا ہے مجھے
ایسا لگتا ہے کہ میں ہوں' تری نگرانی میں

کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں ٹوٹ کر تیرے نقش' آنکھ کی پتلیوں
سے مٹا سکوں
کہ میں دل سے تیری عمر بھر کی رفاقتوں کو بھلا
سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں عمر بھر تیری یاد کا کوئی جشن ہی نہ
منا سکوں
اگر کوئی ایسی سبیل ہو تو آزما
جو نہیں تو پھر......
"مجھے یاد کر' مجھے یاد آ......"

چھاجوں مینہ برس رہا تھا۔
کھڑکی سے ٹکراتی بارش کی بوندیں' ماحول میں عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں لیکن وہ گم صم سی بے حس کھڑی کھلی کھڑکی سے اندر آتے سرد ہوا کے جھونکوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ انتہائی سرد ماحول میں بھی' شال کے بغیر وہاں کھڑا ہونا اس کے بے حس ہونے کا ثبوت تھا۔

عین اسی لمحے اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور شانزل یزدانی' جسے اس کا شوہر ہونے کا شاندار اعزاز حاصل تھا' مکمل طور پر بارش میں بھیگنے کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہی تیزی سے لپک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے زریں' اتنی ٹھنڈی ہوا میں بنا شال کے کھڑی ہو' مرنے کا ارادہ ہے کیا؟" اسے تیزی سے پیچھے ہٹا کر کھڑکی کے دونوں پٹ آہستہ سے بند کرتے ہوئے اس نے ڈپٹا' تو زرنشاء آفندی چپ چاپ اپنے بیڈ پر آ بیٹھی۔

ہر روز کی مانند آج بھی اس کے خوبصورت لبوں پر خاموشی کا قفل پڑا تھا۔

"پتہ نہیں یہ بارش کب رکے گی' جانے رکے گی بھی کہ نہیں۔"

معمول کی مانند خود ہی بڑبڑاتے ہوئے وہ وارڈروب کی طرف بڑھ آیا تھا' اگلے پندرہ

منٹ کے بعد وہ فریش ہوکر اپنے کمرے میں واپس آیا تو زرنشاء وہاں نہیں تھی شاید نہیں یقیناً وہ اس کے لئے کچن میں کھانا گرم کررہی تھی۔ لہٰذا وہ بھی کمرے سے نکل کر اس کے پیچھے ہی کچن کی طرف چلا آیا تھا۔ جہاں اس کے اندازے کے عین مطابق وہ کھانا گرم کرنے کے بعد اب ٹرے میں رکھ رہی تھی۔

”آج سردی زیادہ ہے‘ میں یہیں کھانا کھالیتا ہوں۔“ کہنے کے ساتھ ہی وہ کچن میں رکھی کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گیا تو زرنشاء نے خاموشی سے کھانا اس کے سامنے میز پر دھر دیا۔

”پلیز بیٹھو زریں‘ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“

وہ چونکی تھی‘ تاہم شانزل اب روٹی توڑ کر نوالہ بنا رہا تھا۔

”کہیئے میں سن رہی ہوں۔“ ذرا سا رخ پھیر کر اس کے لئے چائے کی پتیلی چولہے پر رکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ جواباً وہ جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔

”میں نے ڈائیورس پیپرز تیار کروالئے ہیں‘ اگلے دو چار روز میں مل جائیں گے۔ پہلے تم سائن کردینا پھر میں کردوں گا۔ اس کے بعد تم آزاد ہوگی جہاں‘ جس کے پاس چاہو رہ سکتی ہو۔“

وہ یوں پوز کررہا تھا جیسے اسے اس سارے عمل سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو‘ جبکہ زرنشاء آفندی اپنی جگہ سے جیسے ہل کر رہ گئی تھی۔

اب وہ کہہ رہا تھا۔

”یہ گھر جس میں ابھی ہم رہ رہے ہیں۔ اسے میں نے تمہارے نام کردیا ہے‘ وہ دن جو ہم دونوں نے ایک دوسرے کی رفاقت میں اکھٹے گزارے‘ ہمیشہ میری یادوں میں شمار رہیں گے۔ زندگی میں جب بھی کبھی تمہیں میری ضرورت محسوس ہو‘ مجھے آواز ضرور دینا‘ جہاں تک بھی ہوسکا مجھے تمہارے کام آکر خوشی ہوگی۔ اس سے زیادہ میں تمہارے لئے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔“

نہایت شکستہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ خود کو مضبوط ظاہر کررہا تھا لیکن زرنشاء آفندی اس کی آنکھوں میں بکھرتے زندگی کے احساس کو دیکھ رہی تھی۔

اس لمحے اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر زور سے مسل ڈالا تھا۔

کس قدر بے یقینی کے ساتھ اس نے شاکڈ انداز میں اپنے سامنے بیٹھے شانزل یزدانی کو دیکھا تھا جو اب گلاس کے کنارے پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے جیسے مجرمانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

”میں اس بات کو صرف جانتا ہی نہیں‘ دل سے مانتا بھی ہوں کہ ہم زبردستی کسی کو خود سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے‘ میرا یقین کرو‘ میں نے تمہیں چاہا ضرور تھا مگر یہ خواہش کبھی نہیں کی تھی کہ تم زبردستی میری زندگی کا حصہ بنو۔ محبت کسی بھی حیثیت یا مرتبے سے بے نیاز ہوتی ہے۔ شاید میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہاری غلطیوں پر ذرا مختلف انداز میں تمہارے ساتھ پیش آتا مگر خیر مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے شاید میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے ہی ری ایکٹ کرتا جیسے تم کرتی رہی ہو مگر اب...... میں تھکنے لگا ہوں‘ اب مزید خود کو اور تمہیں اذیت میں رکھنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں‘ لہٰذا میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری زندگی سے نکل جاؤں۔ میرے بعد شاید تمہیں وہ مل جائے جس کی چاہ میں تم نے اپنا آپ مٹالیا ہے۔ ہوسکے تو میرے

سابقہ کردار کو معاف کردینا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا‘ تمہاری عزت اور بھلائی کیلئے کیا۔ اس کے باوجود میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں‘ پلیز مجھے معاف کردینا۔“

اپنی بات سمیٹتے ہوئے بہت ضبط کے باوجود اس کا لہجہ بھرا گیا تھا۔

تبھی سرسری سی ایک تشنہ نظر اس پر ڈالنے کے بعد‘ وہ دو چار نوالوں کے بعد ہی اپنی نشست سے اٹھ کر کچن سے باہر نکل گیا۔

زرنشاء آفندی کے دماغ میں اس وقت جیسے آندھیاں چل رہی تھیں۔ قطعی ماؤف ذہن کے ساتھ وہ اپنا چکراتا سر دائیں ہاتھ پر گرا کر بلآخر اسی کرسی پر ٹک گئی تھی جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے شانزل یزدانی بیٹھا تھا۔

حیرانی سی حیرانی تھی۔

وہ شخص جو زبردستی اس کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا اب اسے اپنا عادی بنا کر‘ پھر سے اکیلے پن کا عذاب سونپنا چاہ رہا تھا۔ زندگی کے کسی بھی موڑ پر وہ کچھ ایسا بھی کہہ یا کرسکتا ہے زرنشاء آفندی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

اس لمحے اس کا دل کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا کیوں محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پارہی تھی۔

ہجر کے ماہتاب سن‘ ہم بھی ہیں تیرے ہم سفر
ہم سے بھی کوئی بات کر
ہم تو تیرے رفیق ہیں‘ ہم سے نہ اجتناب کر
دشت فراق یار میں
ازلوں کے ہم رکاب سن‘ ہجر کے ماہتاب سن
جب بخت میں نہ چین ہو
کسی سے کیا گلہ کریں
اس سے کہاں ملا کریں
راہ میں اس کو روک لیں‘ کیسے یہ حوصلہ کریں
تو تو ہمارے ساتھ چل‘ تو تو ہمارے خواب سن
ہجر کے ماہتاب سن
تاروں میں انتشار ہے‘ کس کی نگاہ کے سبب
ہم نے جسے گنوا دیا‘ شدت راہ کے سبب
اس کے غم فراق میں‘ ہم سے کبھی حساب سن
ہجر کے ماہتاب سن

باہر اب بھی تیز بارش ہو رہی تھی۔

شانزل کپڑے بدل کر اب بستر پر لیٹ چکا تھا مگر زرنشاء جانتی تھی کہ وہ سو نہیں رہا ہے۔

وہ اس سے جدائی کا فیصلہ کرکے سو بھی نہیں سکتا تھا۔

زرنشاء اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر شانزل نے اسے دیکھتے ہی رخ پھیر لیا تھا۔ تبھی وہ ہرٹ ہوکر پھر سے اسی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی‘ جہاں شانزل کے آنے سے پہلے وہ کھڑی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے آسمان پر بہت سارے تارے روشن تھے۔ اسے روز کھڑکی میں کھڑے ہوکر تاروں بھرے آسمان کو دیکھنا اچھا لگتا تھا مگر اس وقت تیز بارش کی وجہ سے وہ آسمان پر چھپے ہوئے تاروں کو دیکھ نہیں پارہی تھی۔ آج پھر اسے یاد آرہا تھا کہ صرف تین سال پہلے اس کی زندگی کتنی خوبصورت تھی۔ دور دور تک نہیں کسی اذیت‘ دکھ کا نام ونشان تک نہیں تھا مگر پچھلے تین سالوں میں اس نے اتنے درد واذیتیں سہی تھیں کہ اس کے اندر جیسے زندگی کا احساس ہی مرگیا تھا۔

شانزل بیڈ پر لیٹا دائیں بائیں کروٹ بدل رہا تھا جس سے اس کے اندر کی بے کلی صاف ظاہر تھی مگر پچھلے تین سالوں میں آج پہلی بار بہت کچھ

چاہنے کے باوجود اس سے کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکی تھی۔

○❖○❖○

اس روز بھی موسم بہت خوبصورت تھا۔

اس کی بیسٹ فرینڈ اور کگزن سامعیہ کچھ روز رہنے کے لئے ان کے گھر آئی ہوئی تھی کیونکہ گھر میں اس کے بھیا عدنان اور بڑی آپی نائمہ کی شادی کی ڈیٹ رکھی جاچکی تھی اور سامعیہ گھریلو کام کاج کے علاوہ شاپنگ کرنے میں بھی خاصی مہارت رکھتی تھی۔

زرنشاء اپنی سستی اور کام چوری کی وجہ سے ہر وقت اپنی ماں نفیسہ بیگم کی لعنت ملامت سنتی مگر اثر نہیں لیتی تھی۔ اس کے اپنے ہی مشاغل تھے۔ اچھا کھانا پینا' ہنسنا بولنا اور اپنی پینٹنگ پر توجہ مرکوز رکھنا۔ مصوری اس کا شوق ہی نہیں جنون بن چکی تھی۔

اکثر وہ کھائے پئے بغیر بھی اپنے کمرے میں گھسی رنگوں سے کھیلتی رہتی تھی۔ سامعیہ کے ساتھ اس کی اچھی انڈر اسٹینڈ نگ تھی۔ دونوں کا ہی ایک دوسرے کے بغیر گزارہ ممکن نہیں تھا۔ سامعیہ کراچی میں رہتی تھی' جبکہ زرنشاء کا تعلق لاہور سے تھا۔ اس کے باوجود دونوں اکٹھی رہتی تھیں۔ زرنشاء سفر کے معاملے میں بھی خاصی ست تھی' بسوں' ویگنوں' رکشوں میں دھکے کھانا اسے سخت ناگوار گزرتا تھا' جبکہ ہوائی کا سفر وہ افورڈ نہیں کرسکتی تھی۔ لہٰذا زیادہ تر سامعیہ کو ہی اپنا پیارا شہر کراچی چھوڑ کر لاہور آنا پڑتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں گھسی ایک پیاری سی چڑیا اور اس کا گھونسلہ پینٹ کررہی تھی جب سامعیہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اس کے قریب چلی آئی۔

''زریں...... تیرے لئے ایک بڑی مزے کی خبر ہے۔''

''کیا؟''

برش کو اپنے سر کے بالوں میں پھنسا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جب سامعیہ اس کی پینٹنگ کا سرسری سا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''تمہارے فرنٹ پر وہ گرین ہاؤس نہیں ہے۔ وہاں آج صبح ہی نئے لوگ شفٹ ہوئے ہیں۔ ایک نفیس سی خاتون ہیں' ایک ان کے ہینڈسم سے ہزبینڈ' ایک نازک اندام سی بیٹی اور ایک......''

''اور ایک......؟''

وہ اس کے متجسس کرنے والے انداز سے فوراً متاثر ہوئی تھی۔ جب وہ چٹخارہ لیتے ہوئے بولی۔

''اور ایک بے حد خوبصورت گڈ لک' شاندار سراپے کا مالک...... بیٹا ہے۔ میں نے تو اس کا نام بھی معلوم کرلیا ہے۔ صاحبزادہ سمعان یزدانی' تم اسے دیکھو گی ناں سچی دیکھتی رہ جاؤ گی۔ اتنا فرینڈلی اور سوفٹ نیچر کا مالک ہے کہ جواب نہیں۔''

سامعیہ اسے یوں معلومات دے رہی تھی جیسے زرنشاء کی اس سے شادی ہونے والی ہو۔ تاہم وہ واقعی اس کے الفاظ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اسے خوبصورت چہرے' خواہ وہ میل کے ہوتے یا فی میل کے' متاثر کرتے تھے۔ تبھی وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی تھی۔

''واہ' تمہارا بھی جواب نہیں۔ صبح وہ لوگ آئے ہیں اور شام تک تم نے ان کے بارے میں ساری معلومات بھی اکٹھی کرلیں خیر تو ہے ناں۔''

''نہیں یار' اب خیر کہاں ہے' اصل میں وہ آنٹی دوپہر میں ادھر آئی تھیں' کچھ چاہئے تھا شاید۔ تبھی

وہ آنٹی کو اپنا مکمل بائیو ڈیٹا بتا رہی تھیں۔ میں چونکہ پاس بیٹھی تھی لہٰذا میں نے بھی سن لیا۔ جہاں تک اس ہیرو کی بات ہے تو اسے میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گرین ہاؤس کے گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ سچی زریں' میں نے تو کم از کم اپنی پوری زندگی میں اتنا خوبصورت مرد کبھی نہیں دیکھا۔''

زریں سامعیہ کو اچھی طرح جانتی تھی' اسے ہر مرد اچھا لگتا تھا۔

ہر نیا فلمسٹار' نیا کرکٹر' ٹی وی آرٹسٹ' جو بھی اچھا لگتا' وہ اسی کے لئے مرنے مارنے کو تیار ہوجاتی تھی۔ تاہم زرنشاء کی فطرت اس سے الگ تھی۔

وہ خوبصورتی کی قدردان تھی مگر اس کے باوجود اسے جلدی سے کوئی چیز پسند نہیں آتی تھی۔ کپڑے' جوتے' جیولری کے ساتھ ساتھ اسے انسانوں کو اپنانے میں بھی خاصی خواری اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہ کسی پر بھی فوراً اعتبار کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ البتہ جب تک اسے کوئی چیز پسند آجاتی تھی تو پھر وہ آخری وقت تک اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوتی تھی۔

سمعان یزدانی بھی ایسی ہی چیزوں کی فہرست میں آ گیا تھا۔

سامعیہ کی زبانی سمعان کی سحر انگیز شخصیت کے بارے میں سن کر اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا اسی رات جب سامعیہ تھک کر اسی کے بیڈ پر نیند کی بانہوں میں کھوگئی تو وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔

چاندنی رات تھی' تاروں بھرا آسمان نگاہ کو بے حد بھلا لگ رہا تھا۔

سامنے یزدانی پیلس میں اس وقت بھی خاصی گہما گہمی تھی۔ دو تین گاڑیاں یزدانی پیلس کے گیٹ کے ایک طرف کھڑی تھیں۔ تب اس نے پہلی بار سمعان یزدانی کو دیکھا تھا۔ بلیک ٹراؤزر پر وائیٹ جرسی پہنے' اپنے سادہ سے حلیے کے باوجود وہ واقعی دل میں اترتا محسوس ہورہا تھا۔

اس کے بارے میں اگر وہ یہ کہتی کہ وہ پہلی نظر کا شکار ہوئی تھی تو شاید غلط نہ تھا۔

ٹراؤزر کی پاکٹس میں دونوں ہاتھ گھسائے کسی بزرگ کے ساتھ گیٹ کے قریب کھڑا باتیں کررہا تھا اور وہ چوری چوری' پسندیدہ نگاہوں سے اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی' جب سامعیہ بیدار ہوکر اسے بیڈ پر اپنے قریب نہ پاتے ہوئے خود بھی اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

زرنشاء سینے پر دونوں ہاتھ باندھے سمعان یزدانی کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اسے سامعیہ کے جاگنے کی خبر بھی نہ ہوسکی تھی۔ تبھی اس نے کھنکھار کر پہلے زرنشاء کی محویت توڑی' پھر کھڑکی سے باہر سمعان یزدانی پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔

''بس کرو بی بی' نظر نہ لگا دینا بیچارے کو۔ مانا کہ بندہ بہت وجیہہ ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ اس کی دید کے نشے میں مدہوش ہوکر آپ ساری رات جاگتے ہوئے ہی گزار دیں۔''

''شٹ اپ' میں اسے نہیں دیکھ رہی۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں ہے کہ وہی سمعان یزدانی ہے یا نہیں۔''

''اچھا...... پھر یہ مشغلہ ترک کرکے بیڈ پر تشریف لے آئیں' رات کے ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں۔''

سامعیہ نے اسے وقت بتایا تو وہ چونک کر واپس پلٹتے ہوئے اپنے بیڈ پر آ گئی۔

''سچ سچ بتانا' تمہیں وہ اچھا لگا ہے ناں؟''

سامعیہ نے اس کے برابر میں ہی لیٹتے ہوئے

پوچھا تھا۔ جب وہ فلسفہ جھاڑتے ہوئے بولی۔

''محبت ظاہری خوبصورتی سے کبھی متاثر نہیں ہوتی۔ پتہ ہے سامی' یہ جو عورت ہوتی ہے ناں' اس کے اندر کی دنیا بڑی عجیب وغریب ہوتی ہے۔ کوئی مرد اگر اس کی سوچ اور خواہشات پر پورا اتر جائے تو پھر وہ خود اپنی ذات کو اس مرد کے راستے کی دھول کرنے سے بھی باز نہیں آتی۔ میری بھی یہی تمنا ہے' کاش...... بھری دنیا میں کوئی شخص ایسا ہو جس کی تمام تر محبت میری وراثت ہو جس کا ہر خواب صرف مجھ سے وابستہ ہو' تم دیکھنا' جب بھی ایسا کوئی شخص میری زندگی میں آیا' میں اپنی ذات کو اس پر نچھاور کر کے رکھ دوں گی۔''

سامعیہ کو معلوم تھا وہ ایسی ہی لڑکی تھی۔ محبتوں سے گندھی ہوئی۔

اس کی آنکھیں اس وقت نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ تبھی تکیے میں منہ چھپاتے ہوئے بولی۔

''اچھا' ابھی تو سو جاؤ ناں' صبح اس موضوع پر بھی بات کر لیں گے۔''

سامعیہ سو گئی تھی مگر زرنشاء کو اس رات بہت دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔

○❖○❖○

شانزل واش روم میں تھا اور اس کا سیل وہیں بیڈ پر تکیے کے نیچے پڑا مسلسل بج رہا تھا۔ تبھی وہ نیند سے جاگی تھی۔ کال مسلسل ہو رہی تھی اوپر سے سائلنٹ یا وائبریشن بھی نہیں لگی ہوئی تھی لہٰذا مزید ڈسٹربنس سے بچنے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

''ہیلو...... شان یار کہاں ہو' میں کب سے تمہارے آفس میں بیٹھی تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔ اوپر سے سیل بھی نہیں اٹھا رہے ہو' خیریت تو ہے ناں۔''

اس کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی کسی دوشیزہ نے اپنی کڑک آواز میں کہا تھا۔ جواب میں زرنشاء کی نیند جیسے بھک سے اڑ گئی۔

''اب چپ کیوں ہو گئے ہو' کچھ تو جواب دو۔''

زرنشاء کی خاموشی پر اس نے پھر خاصے فرینک انداز میں کہا تھا۔ تبھی وہ جواب دیئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''شان...... واش روم میں ہیں۔''

''او...... سوری' آپ کون؟''

دوسری طرف موجود لڑکی شاید تھوڑی حیران ہوئی تھی۔ جب وہ فخر سے لہجہ مضبوط کرتے ہوئے بولی۔

''مسز شانزل یزدانی۔''

''رئیلی......؟''

لڑکی اب بے یقین تھی' زرنشاء کو اس لمحے خاصا لطف آیا تھا۔

''جی...... میں مسز شانزل یزدانی ہی بات کر رہی ہوں۔ آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں؟''

شانزرعین اسی لمحے واش روم سے باہر آیا تھا۔ زرنشاء کو اپنے ہی موبائل پر بات کرتے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے وہ چونکا' پھر آئینے کی طرف چلا آیا۔ تب تک وہ کال ڈس کنکٹ کر کے موبائل بیڈ پر رکھ چکی تھی۔

''ایکسکیوزمی' مس زرنشاء آپ اخلاقیات بھولتی جا رہی ہیں۔''

گیلے بالوں کو تولئے سے رگڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ جب وہ شدید ہرٹ ہوتے ہوئے بولی۔

''کیا یہی وہ لڑکی ہے جس کی وجہ سے آپ کی

محبت کے سمندر میں ٹھہراؤ آ گیا ہے۔''

''نہیں......''

''تو پھر یہ کون ہے......؟''

''دوست ہے میری۔''

زرنشاء پھر سے شدید ہرٹ ہوئی تھی۔

''پہلے تو لڑکیوں کو دوست نہیں رکھتے تھے آپ۔''

اس کا لہجہ خود بخود دھیما ہوا تھا' جب وہ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے بولا۔

''ہاں' پہلے بیوقوف تھا' اب عقل آ گئی ہے۔''

اس کے پاس جیسے ہر سوال کا جواب تھا۔ زرنشاء بری طرح الجھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی انا اور دل دونوں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے۔ وہ اس کے سامنے گرنا نہیں چاہتی تھی مگر اب اس سے الگ ہو کر جینا بھی اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ تبھی سر جھکا کر چپ چاپ بیٹھ گئی تو وہ پھر بول اٹھا۔

''اٹھ کر شاور لے لیں' پھر یاد سے ناشتہ بھی کر لیجئے گا۔ موسم خاصا سرد ہو رہا ہے' کمرے میں ہی ہیٹر آن کر کے بیٹھی رہیئے گا۔ رات میں بھی آپ کو ہلکا ہلکا بخار تھا' کم از کم اپنا خیال تو رکھ ہی سکتی ہیں آپ؟''

زرنشاء کو یاد آیا تھا رات جب وہ کھڑکی میں کھڑی بارش کو دیکھ رہی تھی تو شانزل نے اسے کھڑکی سے ہٹانے کے لئے چھوا تھا۔ شاید تبھی وہ اس کے بخار کے بارے میں جان پایا تھا۔ اس کی اس درجہ اپنائیت پر اب وہ کڑھنے اور جھنجلانے لگی تھی۔ اسے بلا وجہ اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک لمحے میں سلگی تھی۔

آپ کو میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب بچی نہیں ہوں۔''

شانزل اس کے چڑنے پر صرف ایک لمحے کے لئے مسکرایا تھا' تاہم اگلے ہی پل پھر سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''او کے' اچھی بات ہے' خدا حافظ۔''

کہنے کے ساتھ ہی وہ اپنا موبائل اور بریف کیس اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا تو زرنشاء پھر سے دونوں ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گی۔ آنے والا وقت جانے اس کے لئے اپنے دامن میں کیا سمیٹ کر لا رہا تھا۔

اس کا دل اس وقت بھی بھرا ہوا تھا۔ جانے آج کل بات بے بات اسے اپنے نصیب پر رونا کیوں آنے لگا تھا۔

○❖○❖○

''زریں...... سامنے والے گرین ہاؤس میں چلوگی؟''

اگلے روز وہ ابھی ناشتے سے فارغ ہوئی تھی جب سامعیہ نے اس سے کہا' جواباً وہ بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''کیوں......؟''

''یار آنٹی نے کہا ہے' نئے اور اچھے لوگ ہیں' اخلاقاً ہمیں چل کر یہ تو پوچھنا چاہیے کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت' یا کوئی پرابلم تو نہیں' ویسے بھی آج میں فری ہوں۔ آنٹی اور نائمہ آپی دونوں خود ہی مارکیٹ جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔ چل ذرا ہیرو کے بھی قریب سے درشن کرا آتے ہیں۔''

اس کے لہجے میں بشاشت تھی۔ زرنشاء کا اپنا دل اندر سے بے ایمان ہو رہا تھا۔ لہٰذا اٹھ کر پہلے بالوں میں کنگھی کی پھر آنکھوں میں کاجل لگایا' اس کے بعد ہاتھ سے کپڑوں کی شکنیں درست کر کے اچھی طرح آئینے میں اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ سامعیہ

کے ساتھ' سامنے والے گرین ہاؤس میں چلی آئی تھی۔
''مما..... جلدی سے ٹاول پکڑا دیں مجھے سردی لگ رہی ہے۔''
سرسبز وسیع لان عبور کرنے کے بعد جیسے ہی ان دونوں نے گرین ہاؤس کے وسیع لاؤنج میں قدم رکھا' یہ مردانہ صدا ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ جواباً ان دونوں نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا تھا۔ پورا لاؤنج خالی پڑا تھا۔ البتہ قریب ہی کچن میں ضرور کچھ کھٹ پٹ ہو رہی تھی۔ اگلے دو چار منٹ وہ یہ سوچتی رہی تھیں کہ آیا انہیں کسی کو آواز دے کر اپنی آمد سے باخبر کرنا چاہئے یا یونہی چپ چاپ الٹے پیروں واپس لوٹ جانا چاہئے۔
اس پل ہی کچن سے وہ سوبر سی خاتون باہر نکلی تھیں' جسے سامعیہ نے کل دوپہر میں اپنے ہاں دیکھا تھا۔
''اس لڑکے کو تو کسی کروٹ چین نہیں۔ مجال ہے جو اپنا کوئی بھی کام خود کرلے۔''
کچن سے ہی وہ بڑبڑاتے ہوئے نکلی تھیں پھر اچانک ان دونوں پر نگاہ پڑی تو چونک اٹھیں۔
''ارے..... آپ لوگ کب آئیں؟''
''ابھی پانچ منٹ پہلے۔ آپ کچن میں تھیں شاید۔''
سامعیہ چونکہ ان سے واقف تھی' لہٰذا وہی آگے بڑھی تھی۔ زرنشاء اپنی جگہ سے ایک انچ ہلنے کی جسارت نہیں کر پائی تھی۔
''مما پلیز ٹاول دے دیں' نہیں تو میں یونہی باہر آجاؤں گا۔''
وہ ان دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر دے رہی تھیں جب واش روم سے آتی آواز پر قدرے شرمندہ ہوتے ہوئے بولیں۔
''میرا بیٹا ہے سمعان' بہت شرارتی ہے۔ کچھ ہمارے لاڈ پیار نے تھوڑا بگاڑ دیا ہے۔ آپ بیٹھو میں اسے ٹاول دے کر آتی ہوں۔''
زرنشاء اور سامعہ دونوں ہی اس وقت بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرکے بیٹھی تھیں۔
سحر زدہ پرسنلٹی کا مالک وہ شخص فطرتاً ایسی بچکانہ حرکتیں بھی کرتا ہوگا' ان دونوں کو ہی اس کا گمان نہیں تھا۔
مسز یاور اپنے بیٹے کو ٹاول تھمانے کے بعد' ساڑھی کا پلو سنبھالتی ان کے قریب ہی صوفے پر ٹک گئی تھیں۔
''اب بتاؤ بیٹے' کیسے آنا ہوا.....؟''
''بس ایسے ہی' آپ سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔ یہ میری کزن ہے زرنشاء حال ہی میں بی ایس سی کرکے فارغ ہوئی ہے لیکن فائن آرٹس کی زبردست شوقین ہے۔ دن رات بس رنگ ہوتے ہیں برش اور ایزل ہوتا ہے اور یہ محترمہ ہوتی ہیں۔ کل میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا تو اسے بھی آپ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوگیا۔ شاید اب آپ سے مل کر یہ آپ کی تصویر بھی بنا ڈالے۔ ویسے آپ کو یہاں سیٹنگ میں کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی ناں؟''
سامعیہ اپنی چرب زبانی کا یہاں خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔ مسز یاور اس کے الفاظ پر بہت دل کش انداز میں مسکرائی تھیں۔
''نہیں بیٹے! الحمدللہ' کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ سمعان کے دوستوں نے کافی مدد کی تھی۔ اصل میں تمہارے انکل یہاں نہیں تھے تو تھوڑا مسئلہ بنا کچھ کاموں میں' ویسے سب ٹھیک ٹھاک رہا۔''

''انکل کہاں ہیں؟''
''وہ طائشہ کو ہاسٹل چھوڑنے گئے ہیں۔ طائشہ میری بیٹی ہے' سمعان سے چھوٹی۔ یہیں پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمشن لیا ہے' کہتی ہے گھر میں رہ کر نہیں پڑھنا۔ اصل میں سمعان اسے بہت تنگ کرتا ہے' جم کر پڑھنے نہیں دیتا۔ اسی لئے وہ اپنی دوستوں کے ساتھ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ ویسے دو چار روز کے بعد موڈ بنے تو چکر لگا لیتی ہے۔''
''انکل کب تک آجائیں گے۔''
''آج شام تک آئیں گے۔ اصل میں انہیں اوکاڑہ کچھ کام تھا' طائشہ کو ہاسٹل چھوڑ کر وہیں سے اوکاڑہ چلے گئے' آپ بیٹھیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔''
''نہیں آنٹی' ہم ابھی ناشتہ کرکے آئے ہیں پلیز۔''
اس بار زرنشاء بولی تھی۔ جواباً وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئیں۔
سامعیہ اب انہیں اپنی ہسٹری سے آگاہ کررہی تھی' جب سمعان علی شاہ یزدانی نے ٹاول سے سر کے گیلے بال خشک کرتے ہوئے وہاں لاؤنج میں قدم رکھا۔
''مما! ناشتہ بنالیا کہ نہیں.....؟''
ان دونوں پر نگاہ ڈالے بغیر اس نے پھر اپنی ماں سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا تھا' جب وہ بولیں۔
''تم کمرے میں چلو' میں وہیں ناشتہ لادیتی ہوں تمہیں۔''
''کیوں..... یہاں کرفیو نافذ ہوگیا ہے کیا؟''
اب کے بغور سامعیہ اور زرنشاہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے وہ ڈھٹائی کا بھرپور مظاہرہ کرتا وہیں صوفے پر ٹک گیا تھا۔
''سمعان! ہر وقت بچے مت بنے رہا کرو' کبھی موقع محل بھی دیکھ لیا کرو۔''
مسز یاور اسے ان کے سامنے ڈانٹتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں اور وہ اسی چیز کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔
''سوری موم' مگر میں نے کیا کیا ہے؟''
''زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو شاباش کمرے میں جاؤ' میں وہیں ناشتہ لادیتی ہوں تمہیں۔''
''مجھے نہیں کرنا ناشتہ' ایکدم سے پتہ نہیں کیا ہوجاتا ہے آپ کو۔ میں کوئی آدم خور ہوں جو ان محترماؤں کے پاس بیٹھوں گا تو انہیں کھا جاؤں گا۔ یا میں نے پہلے کبھی لڑکیاں نہیں دیکھیں۔''
وہ ان کے ڈانٹنے پر خفا ہوکر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔
زرنشاء نے چپکے سے دیکھا' وہ خفگی میں اور بھی زیادہ حسین لگتا تھا۔ سیب کی مانند دمکتی سرخ وسفید رنگت پر ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ مسز یاور سے بہت زیادہ اٹیچ تھا اور ان سے خوب ناز نخرے اٹھوانے کا عادی بھی تھا۔
بلا سے زیادہ خود اعتمادی نے اسے اجنبی لڑکیوں کے سامنے بھی حد ادب میں سمٹنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ زرنشاء کو اس کی ذات کی یہ خود اعتمادی بہت بھلی لگی تھی۔
مسز یاور ان سے اپنے بیٹے کی بدتمیزی کے معاملے میں معذرت کررہی تھیں' جبکہ زرنشاء کے لئے اب جیسے وہاں مزید ٹھہرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔

○❖○❖○

رات کٹتی رہی' چاند ڈھلتا رہا
آتش ہجر میں' کوئی جلتا رہا
گھر کی تنہائی دل کو ڈستی رہی
کوئی بے چین کروٹ بدلتا رہا
آس و امید کی شمع روشن رہی
گھر کی دہلیز پھر' کوئی تکتا رہا
رات بھر چاندنی' گنگناتی رہی
رات پھر کوئی تنہا سسکتا رہا
اشک پلکوں پہ آ کے لرزتے رہے
نام لب پہ کسی کا مچلتا رہا
آج پھر رات برسات ہوتی رہی
آج پھر کوئی خود سے الجھتا رہا

لنچ ٹائم کا بریڈ اوور ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے آفس میں جو گہما گہمی تھی' لنچ بریک کے بعد دوبارہ وہی رونق لوٹ آئی تھی۔ سب خوش تھے' اپنی اپنی زندگی میں مگن اور مطمئن تھے۔ بس ایک صرف اسی کا سکون کہیں رخصت ہو گیا تھا۔

کچھ بھی کر کے دل قرار کی دولت نہیں حاصل کر پایا تھا۔ ہر چیز سے طبیعت جیسے اکتا گئی تھی۔ کثرت سے سگریٹ نوشی کے باعث' اب اکثر اسے کھانسی بھی رہنے لگی تھی مگر وہ پروا نہیں کرتا تھا۔ اسے اب اپنی زندگی سے جیسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ جب اندر کی دنیا خوبصورت نہیں تھی تو باہر کی دنیا میں چارم کیسے محسوس ہو سکتا تھا۔

اپنی سیٹ پر بے حد اداس بیٹھا' وہ شیشے کے اس پار بیٹھی اپنی سیکریٹری کی مصروفیات کا یونہی بے مصرف انداز میں جائزہ لے رہا تھا۔ لوگ اس کے بارے میں کیسی رائے رکھتے ہیں وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا مگر...... کردار کے معاملے میں بے حد بدنام ہونے کے باوجود' وہ اب تک اس لڑکی پر اپنا حق استعمال نہیں کر سکا تھا جو شرعی اور قانونی طریقے سے اس کی ملکیت تھی جس کے وجود پر اسے پورا پورا اختیار حاصل تھا۔ ہر روز رات میں جو اس سے محض ایک فٹ کی دوری پر' اپنے حسین سراپے کے ساتھ میٹھی نیند کے مزے لے رہی ہوتی تھی۔

اس کی ماں جی اور دیگر رشتہ داروں واحباب کا یہ کہنا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ حساس' خوددار اور اذیت پسند ہے مگر وہ ان کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ اسے اپنی شخصیت میں کہیں بھی خودداری یا حساسیت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ہاں اذیت پسندی ضرور اس کے مزاج کا حصہ تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا' بچپن میں ایک بار سائیکل چلاتے ہوئے وہ پکی سڑک پر گر پڑا تھا۔ اچانک گرنے سے اسے بازو پر خاصی گہری چوٹ لگی تھی مگر اس نے منہ سے سی کی آواز بھی نہیں نکالی تھی۔ بڑے مزے سے سائیکل کے پاس ہی بیٹھ کر وہ اپنے بہتے ہوئے خون کا نظارہ کرتا رہا تھا۔

بعد میں ماں جی کو پتہ چلا تو انہوں نے اسے خوب ڈانٹنے کے بعد اس کی مرہم پٹی کی اور اسے ایک گلاس گرم دودھ میں دیسی گھی بھی ڈال کر پلایا تھا۔

ماں جی کی وفات کے بعد تو جیسے وہ اور بھی اذیت پسند اور وحشی ہوتا چلا گیا تھا۔ دفتر کے ملازمین کے ساتھ انتہائی بدتمیزی سے پیش آنا' چھوٹی چھوٹی بات پر کسی کی بھی انسلٹ کر کے رکھ دینا۔ انتہائی ریش ڈرائیونگ کرنا۔ اس دوران اگر کوئی گاڑی کے ساتھ ٹکرا کر زخمی ہو جاتا' تو وہ قطعی پروا کئے بغیر تیزی سے آگے نکل جاتا۔ گھریلو

ملازمین پر تو وہ ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ اس سے بھی طبیعت کو سکون نہیں ملا تو آوارہ گردی شروع کر دی۔

انہی دنوں اس کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا تھا اور وہ جیسے خود پر سے اپنا اختیار ہی کھو بیٹھا۔ وہ حسین تھی مگر اتنی زیادہ حسین بھی نہیں تھی کہ اسے سامنے پا کر وہ اپنے حواس ہی کھو بیٹھتا۔

ہر بار اس سے سامنا ہونے پر' وہ ایک عجیب سی بے کلی اپنے اندر اترتی محسوس کرتا تھا۔ وہی تھی جس کے حصول کی طلب نے اس کے اندر زندگی کی اہمیت بڑھائی تھی۔ اس کے تصورات میں کھو کر' اس نے اپنا آپ بھی فراموش کر دیا تھا مگر...... اس کے باوجود اس کے اندر کی ازلی بے چینی نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا...... وہ اس کی ہو کر بھی اس کی نہیں تھی اور اسی چیز نے اسے پھر سے اذیت میں مبتلا کیا تھا۔

اب تک پتھر سے موم اور موم سے دوبارہ پتھر ہونے کے دوران' وہ کیسے کیسے نہیں تڑپا تھا۔ صرف اس کا ہاتھ تھامنے کے لئے بھی اسے سو سو جتن کرنے پڑتے تھے۔ دھان پان سی اس خوبصورت دوشیزہ پر مکمل اختیار رکھنے کے باوجود صرف اپنی محبت کے ہاتھوں بے بس ہو کر' وہ اب تک اسے اس کی مرضی کے خلاف اپنے قریب نہیں کر پایا تھا۔

اور اب جبکہ وہ پتھر دل لڑکی' اس پر ترس کھانے لگی تھی تو وہ پھر سے پتھر کا ہو رہا تھا۔ پھر سے اس نے وہی مشاغل اپنا لیے تھے۔ جنہیں کچھ ہی عرصے پہلے توبہ کر کے چھوڑا تھا۔ اب پھر سے موسموں میں اس کے لئے کوئی چارم باقی نہیں رہا تھا۔

پچھلے تین سالوں میں یوں تو متعدد بار' دل نے اس حسین پیکر کے قرب کی خواہش کی تھی مگر آج جانے کیوں دل کو سمجھا نہیں پا رہا تھا۔ پتھر ہو جانے کے باوجود' اندر سے کہیں کسی معجزے کے لئے دعا بلند ہو رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے' اپنی خواہش کے تابع کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا تھا کہ ابھی وہ خود چل کر اس کے آفس آئے گی اس کی سیکریٹری سے اس کی بابت پوچھے گی پھر اس کے روم میں آئے گی اور کہے گی۔

''شانزل! میں بہت زیادہ تھک چکی ہوں' خود سے ہار گئی ہوں' پلیز مجھے اپنی پناہوں میں لے لیں۔'' اور تب وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہیں کھو جائے گا۔ کسی ایسی جگہ جہاں اس کے اندر کی بے سکونی کا نام و نشان تک نہیں ہو گا مگر...... خواب حقیقت کب بنتے ہیں؟

اسے اپنی بے بسی پر ہنسی بھی آ رہی تھی اور رونا بھی...... تبھی گہری سانس بھر کر اس نے اپنا سر اپنی سیٹ کی پشت سے ٹکایا تھا۔

نگاہ اب بھی شیشے کے اس پار جمی تھی جیسے اسے ہر صورت اپنے خواب کے پورا ہونے کا یقین ہو اور عین اسی لمحے اسے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ شیشے کے اس پار جمی نگاہ نے اسے دیکھا تھا۔ ڈھیلے ڈھالے لیلن کے کپڑوں میں ملبوس' قطعی رف حلیے میں وہ چند منٹ ریسپشن پر ٹھہرنے کے بعد سست روی سے چلتی اس کی سیکریٹری کے پاس آئی تھی۔ اس نے آفس میں ابھی تک کسی کو بھی اس سے متعارف نہیں کرایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے وہاں پہلی آمد پر وہ پروٹوکول بھی نہیں مل سکا تھا کہ جس کی وہ مستحق تھی۔

شانزل قطعی شاکڈ انداز میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ پریشان دکھائی دے رہی تھی' پچھلے

تین سالوں میں پہلی بار یہ معجزہ ہوا تھا کہ وہ خود چل کر اس تک آئی تھی۔ اس کی سیکریٹری نے فوراً اس کے روم میں کال ملائی تھی۔ جسے اس نے فوراً پک کیا تھا۔

"سر...... کوئی زریں میم آئی ہیں' فوراً آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"اوکے' ابھی میں کچھ بزی ہوں' آدھے گھنٹے بعد رابطہ کیجئے گا۔"

"جی سر۔"

سیکریٹری تابندہ عباس تابعداری کا مظاہرہ کرتی رابطہ ڈس کنکٹ کر چکی تھی۔ تاہم شانزل اب بھی پرشوق نگاہوں سے اپنے آفس میں نگاہوں کے بالکل سامنے' شیشے کے اس پار بیٹھی زرنشاء آفندی کو دیکھ رہا تھا' جو آج معجزانہ طور پر اس کے خواب کو حقیقت کا رنگ پہنانے آ گئی تھی۔ اس نے اپنا سیل آف کر رکھا تھا اور فون کے سیٹ جو اس کے سامنے میز پر رکھے تھے ان کے ریسیور کریڈل سے اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیئے تھے۔

اپنے طور پر وہ ساری دنیا سے بے نیاز کٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

پورا آدھا گھنٹہ لگا تھا اسے اپنے خواب کو حقیقت مان لینے میں۔ پورے آدھے گھنٹے تک اس نے اپنی محبوب ہستی کو کٹھن انتظار کی صلیب پر لٹکائے رکھا تھا۔ سیکریٹری اب پھر اس کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی جو بزی مل رہا تھا۔ زرنشاء اس مرحلے پر بہت بری طرح سے ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے جنہیں وہ محسوس نہیں کر پایا تھا۔

وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا جب وہ مایوسی کے عالم میں' اس کی سیکریٹری تابندہ عباس سے کچھ کہتی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تب اس نے فوراً سیکریٹری کو انٹرکام پر ہدایت کی تھی۔

"میڈم کو اندر بھیجیں مس تابندہ فوراً۔"

سیکریٹری نے اس کے حکم پر ازحد حیران ہو کر بمشکل کمرے سے نکلتی زرنشاء آفندی کو آواز دے کر روکا تھا۔

"ایکسکیوزمی' میم' آپ کو سر اندر روم میں بلا رہے ہیں۔"

وہ پلٹی تھی اور اس کی ہدایت پر ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تھکے تھکے سے قدم اٹھاتی بناء دستک دیئے اس کے روم میں گھس آئی تھی۔

شانزل کا دل اس لمحے بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

اسے کمرے کی طرف آتے دیکھ کر اس نے فوراً اپنا سیل آن کیا اور جو نمبر سب سے فرسٹ پر ملا اسے کال کر ڈالی۔ زرنشاء نے قریب پہنچ کر اسے سلام کیا جس کا جواب سر کے اشارے سے دیتے ہوئے اس نے اسے کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت کی تھی۔

اگلے مزید پندرہ بیس منٹ تک وہ مضطرب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی جو محض اسے جلانے کے لئے بے مقصد گفتگو کو طول دیئے جا رہا تھا۔ اس کے صبر کا پیمانہ پھر لبریز ہوا تھا۔

بے قدری اور بے نیازی کے کرب انگیز احساس کا شکار ہو کر' ایک مرتبہ پھر چپ چاپ وہ اس کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب اس نے فوراً کال ڈس کنکٹ کر کے اس کی طرف توجہ مرکوز کر دی۔

"کہاں جا رہی ہو' پلیز بیٹھو۔"

مگر اس نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ تب وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر' میز کراس کرتے ہوئے فوراً اس کے مقابل آیا تھا۔

"کیا بات ہے' کوئی پریشانی ہے کیا جو دس منٹ بھی انتظار کی زحمت نہیں اٹھا سکتیں۔"

زرنشاء کی آنکھوں میں تیرتی نمی نے اسے بے قرار کیا تھا۔ وہ بولی تو اس کے لہجے میں بھی اضطراب تھا۔

"میرے سینے میں آج صبح سے دل والی سائیڈ پر شدید درد ہو رہا ہے۔ صبح سے میں آپ کا نمبر ٹرائی کر رہی ہوں مگر رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ گھر میں خانساماں' چوکیدار کوئی بھی نہیں ہے۔ اسی لئے میں ٹیکسی لے کر یہاں چلی آئی مگر آپ بھی فارغ نہیں۔"

وہ اب باقاعدہ رو پڑی تھی۔ شانزل یزدانی کا دل اس لمحے جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔

"سوری...... ویری سوری' چلو میرے ساتھ۔"

دل ہی دل میں شدید پشیمانی کا شکار ہو کر اس نے بہت مختصر انداز میں معذرت کرتے ہوئے سامنے میز سے اپنی گاڑی کی چابیاں اور موبائل اٹھایا تھا۔ خواب پورا ضرور ہوا تھا مگر اس انداز سے نہیں جس انداز سے اس نے سوچا تھا۔

زرنشاء گاڑی میں پہلی بار اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتا مگر اس وقت وہ اس کے لئے تفکر میں مبتلا تھا۔ تبھی مکمل توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھتے ہوئے اگلے دس پندرہ منٹ میں وہ اسے اپنے بہترین دوست عمار یاسر کے ذاتی ہوسپٹل میں لے آیا تھا جو اس وقت شہر کا سب سے مہنگا ترین ہوسپٹل تھا۔

اتفاق سے اس وقت ڈاکٹر عمار پر کام کا لوڈ بھی کم تھا' لہٰذا زرنشاء کا چیک اپ زیادہ بہتر انداز میں توجہ کے ساتھ ہو گیا تھا۔

"ایکسکیوزمی' لگتا ہے بھابی آج کل کسی نہ کسی ٹینشن کو سر پر سوار کئے رکھتی ہیں اس وقت بھی دل کی شریانوں پر ضرورت سے زیادہ دباؤ ہے۔ ایک آدھ گھنٹہ مزید لیٹ ہو جاتے تو شدید ہارٹ اٹیک کی صورت بھی بن سکتی تھی۔ یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ تم ان کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ کیوں ایسا ہی ہے ناں۔"

تفصیلی چیک اپ کے بعد ڈاکٹر عمار یاسر نے شانزل سے ہمکلام ہو کر کہا تھا۔ جواب میں وہ محض ایکسکیوز ہی کر سکا۔

"خالی ایکسکیوز سے کام نہیں چلے گا' تمہیں ان کے معاملے میں اپنی کاروباری مصروفیات کو پس پشت ڈال کر ان کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا ہوگا' بصورت دیگر خدانخواستہ بڑا نقصان بھی اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ فی الحال میں انجکشن دے دیتا ہوں' باقی کی دوا وقت پر اپنے ہاتھ سے دیتے رہنا۔"

پرچی پر کچھ لکھنے کے ساتھ ساتھ وہ اسے ہدایات بھی دیتا جا رہا تھا جبکہ شانزل دل ہی دل میں اپنی غفلت پر خود کو ملامت کرتا' ڈاکٹر عمار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے زرنشاء کے ساتھ سیدھا گھر چلا آیا۔ آفس ٹائم یوں بھی ختم ہو چکا تھا۔ برساتی موسم کے باعث شام بھی جلدی ڈھل جاتی تھی۔ زرنشاء اس سے عجیب سی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے نگاہ چرا رہی تھی۔ جب وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے دوا کا شاپر بیڈ کے قریب ہی میز

پر رکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔

”بیڈ پر لیٹ جاؤ زریں۔“

وہ جو بیڈ کے کنارے پر ٹک کر بیٹھی تھی ایک دم سے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ لیٹ جاؤ‘ مجھے تمہارے دل پر مساج کرنا ہے۔“

اس کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔ مگر وہ بری طرح کنفیوز ہوگئی تھی۔

”نن‘ نہیں میں کرلوں گی۔“

”تم کچھ نہیں کرسکتیں۔“

کہنے کے ساتھ ہی اس نے زرنشاء کا بازو تھام کر اسے اپنے سامنے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔

○❖○❖○

مسز یاور حیات یزدانی کے گھر سے واپسی کے بعد دو تین روز تک وہ سمعان شاہ کو ڈسکس کرتی رہی تھیں۔ زرنشاء کو اس کا ذکر سننا بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ اس کے خواب بھی دیکھنے لگی تھی مگر کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے سے قبل وہ اپنی فیلینگز سامعیہ سے بھی ڈسکس کرنا مناسب نہیں سمجھتی تھی لہٰذا اندر ہی اندر ان دیکھی سی آگ میں جل رہی تھی۔

اسے یہی خدشہ ستا رہا تھا کہ کہیں سمعان شاہ انگیجڈ نہ ہو‘ کہیں اس کی زندگی میں پہلے ہی کوئی اور نہ آ گئی ہو۔

اس روز بھی رات میں اسے نیند نہیں آ رہی تھی‘ آج سامعیہ بھی اس کے ساتھ نہیں تھی۔ بستر پر دائیں بائیں کروٹیں بدلتے بدلتے وہ تھک گئی تھی۔ تبھی اٹھ کر بیٹھ گئی‘ رات ابھی زیادہ نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی اسے اپنی تنہائی سے وحشت ہو رہی تھی‘ اسی لیے سامعیہ کو بلانے کے ارادے سے بستر سے اتری تو سماعتوں میں اچانک نہایت مدھر بانسری کی آواز آ پڑی۔ وہ پہلے چونکی‘ پھر کھڑکی کی طرف بڑھی تھی۔

روڈ کی دوسری طرف گرین ہاؤس کے ٹیرس پر اس وقت کتنا خوبصورت نظارہ اسے دیکھنے کو ملا تھا۔ جینز‘ شرٹ میں ملبوس سمعان شاہ‘ اس کی نگاہوں کے عین سامنے ساری دنیا سے بے نیاز‘ کتنے مگن انداز میں مہارت سے بانسری بجا رہا تھا‘ جیسے صدیوں سے رانجھے کا شاگرد رہا ہو۔ وہ حیران ہوکر مسکرائی تھی۔ دوسری طرف سمعان شاہ کی نگاہ بھی جونہی اس پر پڑی اس نے بانسری بجانا بند کردی۔ زرنشاء کو اس وقت ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے بھی لطف دے رہے تھے۔

اسے دیکھتے ہوئے وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ زرنشاء کا دل اس لمحے بہت زور سے دھڑکا تھا۔

اگلے روز صبح ہی صبح وہ ان کے گھر موجود تھا۔

”یہ کیا آنٹی! آپ کے گھر میں شادی ہے اور آپ نے ہمیں کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دی‘ یہ تو ناانصافی ہے۔“

اس وقت وہ کاٹن کے سفید سوٹ میں ملبوس تھا۔ زرنشاء اسے ہال میں بیٹھے دیکھ کر وہیں سیڑھیوں پر ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ اس کی مما نفیسہ بیگم اس کی بات پر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”نہیں بیٹے! ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے کون سے دو چار بیٹے ہیں جو شادی کا انتظام سنبھالیں گے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے آپ لوگوں کو مل کر ہی کرنا ہے‘ کوئی پابندی تھوڑی ہے یہاں؟“

وہ بڑے مزے سے بیٹھا نہ صرف چائے پی رہا تھا بلکہ چپس اور بسکٹس کے ساتھ بھی بھرپور انصاف کر رہا تھا۔ سامعیہ کچن میں باقی افراد کا ناشتہ بنانے میں مصروف تھی جبکہ نائمہ اور عدنان

ی تک سو رہے تھے۔

زرنشاء اپنی مما سے اس کی بے تکلفی دیکھ کر آ گے ی تھی۔

”اٹھ گئی تم‘ ایک تو اس لڑکی کی نہ صبح کا پتہ چلتا ے نہ شام کا۔ دنیا کے سارے فضول شوق اس نے لے ہوئے ہیں۔ گھر کے کام کاج سے تو دور کا بھی طہ نہیں۔“

نفیسہ بیگم کسی بھی مہمان کے سامنے اس کی زت افزائی کرنے سے پیچھے نہیں رہتی تھیں۔ رنشاء نے اس وقت سمعان شاہ کے سامنے اپنی زت افزائی پر سخت خفت محسوس کی تھی۔

”آپ کو تو موقع ملنا چاہئے‘ کسی کے سامنے یری بے عزتی کرنے کا۔“

اس نے منہ بنایا تھا جب وہ مزید برہم ہوتے وئے بولیں۔

”تو تم موقع ہی کیوں دیتی ہو بے عزتی کرنے کا۔ پرائی بچی گھر آ کر چوبیس گھنٹے کام میں لگی رہے ور جس کی ذمہ داری ہے وہ میڈم سارا دن کمرے سے ہی نہ نکلے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔“

سمعان اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا ب وہ خفا ہوکر وہاں سے اٹھ گئی۔

”لوگ کسی کے سامنے اپنے پھوہڑ بچوں کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے اور ایک ہماری والدہ محترمہ ہیں‘ ذرا موقع ملا نہیں کہ شروع ہوئی ہیں۔“

وہ بڑبڑائی تھی‘ سمعان اس کے الفاظ پر بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

”تمہارے ہی بھلے کو کہتی ہوں کمبخت۔ جانے کیسا سسرال ملے۔ وہاں جا کر کیا سسرال والوں کی تصویریں بناتی پھرو گی۔“

زرنشا سنی ان سنی کر کے سامعیہ کے پاس کچن میں آ گئی جبکہ سمعان بہت دیر تک وہیں بیٹھا نفیسہ بیگم سے جانے کس کس کی ذات کو کھنگالتا رہا تھا۔

اگلے دو تین روز تک ان دونوں کا ایک ہی معمول رہا تھا۔ سمعان ٹیرس پر آ کر دھیمے سروں میں بانسری بجاتا تو زرنشاء کسی سانپ کی طرح بے قرار ہو کر فوراً آ کھڑی ہوتی‘ جہاں وہ گھنٹوں چپ کی زبان میں ڈھیروں باتیں کرتے۔

ایک دوسرے سے روبرو مخاطب ہوئے بغیر بھی ان دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس روز زرنشا مسز یاور کو اپنی مما کا بلاوہ دینے اکیلی ہی گرین ہاؤس چلی آئی تھی۔ موسم قدرے خشک تھا۔

وہ لاؤنج میں آئی تو سمعان کو سامنے ہی صوفے پر نیم دراز میوزک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پایا۔ زرنشاء اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی تھی تاہم اس سے پہلے کہ وہ اس سے گھبرا کر واپس پلٹتی‘ سمعان نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

”بات سنو زریں......“

وہ رک گئی تھی مگر اس کا دل اس لمحے بہت تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

”اگر دو قدم آگے چلی آؤ گی تو میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔“

پہلی بار وہ اس سے روبرو مخاطب ہوتے ہوئے مکمل پراعتماد تھا‘ تاہم زرنشاء کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ اس کے سامنے اپنے یہاں آنے کا مدعا بیان کرنا ہی بھول گئی تھی جب وہ پھر بولا تھا۔

”مما کے لئے آئی تھیں ناں......؟ وہ مارکیٹ گئی ہیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک واپس آئیں گی‘ ان کے علاوہ اگر اور کسی سے بات نہ کرنے کی قسم کھا کر

آئی ہوتو شوق سے واپس جا سکتی ہو۔“

وہ اس کی خاموشی سے ہرٹ ہوا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس وقت اس سے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی تبھی واپسی کے لئے پلٹی تو سمعان نے انتہائی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی کلائی تھام لی۔

”تم دنیا کی سب سے زیادہ ڈفر اور بدتمیز لڑکی ہو۔“

”کیوں......اب کیا کیا ہے میں نے؟“

وہ بے حد گھبرا کر بولی تھی جب اس نے چڑ کر کہا۔

”تم نے وہ کیا ہے جو آج تک دنیا کی کوئی بھی دوسری لڑکی نہیں کرسکی۔“

”میرا ہاتھ چھوڑو۔“

”نہیں چھوڑتا تمہارا ہاتھ کرلو جو کرنا ہے۔“

”سمعان پلیز۔“

”کیا پلیز‘ پورے دو ہفتے ہوگئے ہیں تم سے بات کرنے کے مواقع تلاشتے اور آج موقع ملا ہے تو گیلے صابن کی طرح ہاتھ سے پھسل رہی ہو‘ اتنا بے اعتبار ا ہوں میں۔“

”میں نے کب کہا کہ آپ بے اعتبارے ہیں......؟“

اس کی جان جیسے فنا ہورہی تھی مگر سمعان پروا نہیں کر رہا تھا۔

”زریں......میری زندگی میں اجالا کرو گی؟“

ایکدم سے اچانک اس نے اپنا ٹریک بدلا تھا۔ زرنشاء کی دھڑکنیں اس کے قابو میں نہیں آرہی تھیں۔

”آپ کو کیا ہوگیا ہے ایکدم سے؟“

”پتہ نہیں۔“

مختصراً انداز میں کہہ کر وہ اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں غائب ہوگیا تو زرنشاء بھی الٹے قدموں واپس بھاگ آئی۔ اس کی سانس معمول سے کہیں تیز ہوگئی تھی۔ صد شکر کہ اس وقت اس کا کسی سے بھی سامنا نہیں ہوا‘ وگرنہ اس کا حال دیکھ کر جانے کون کون سے سوال جنم لیتے۔

اس کے گھر میں ڈھولک رکھی جاچکی تھی۔ گرین ہاؤس کی مکین مسز یاور اور ان کے شوہر یاور حیات صاحب کا زیادہ وقت انہی کے گھر صرف ہوتا تھا۔ دونوں میاں بیوی اپنی بساط سے بڑھ کر شادی کی تیاریوں میں مسز نفیسہ بیگم اور دیگر گھر والوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ یونیورسٹی میں کسی ہنگامے کے باعث ایک ہفتے کی تعطیلات ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے طائشہ بھی سے گھر آگئی تھی۔

زرنشاء اور سامعیہ دونوں نے ہی اسے سمعان کا ہم مزاج پایا تھا۔ لہٰذا دونوں کی اس سے پہلی ہی ملاقات میں دوستی ہوگئی تھی۔ زرنشاء‘ سامعیہ اور طائشہ تینوں نے شادی کے لئے اپنے ملبوسات ایک جیسے بنوائے تھے۔ سمعان کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ کسی ضروری کام کے سلسلے میں گاؤں چلا گیا ہے۔ زرنشاء جانتی تھی کہ وہ صرف اس سے خفا ہوکر گیا ہے۔

عجیب بات تھی کہ اس کا اپنا دل سمعان کے بغیر کہیں نہیں لگ رہا تھا۔

اس روز مایوں کا فنکشن تھا۔ جب وہ مسز یاور کے اصرار پر گاؤں سے واپس چلا آیا۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اس کا وجیہہ سراپا‘ آنکھوں میں خوب جچ رہا تھا۔ زرنشاء بہانے بہانے سے اس کے سامنے گئی تھی مگر اس نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا‘ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اسے کیسے منائے؟

مایوں کی تقریب ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی جب طائشہ نے اسے سائیڈ پر لے جا کر آہستگی سے کہا۔

”زریں‘ بھائی اوپر ٹیرس پر تمہارا انتظار کررہے ہیں۔“

اس کا دل پھر زور سے دھڑکا تھا۔ طائشہ کے سامنے محبت کا بھید کھل جانے پر گھبراہٹ بھی ہوئی تھی۔ تاہم سمعان شاہ کو مزید ناراض نہ کرنے کے ارادے سے وہ چور نظروں سے سب کو ہال میں مایوں کی رسم میں مصروف دیکھ کر‘ اپنا دوپٹہ سنبھالتی اوپر ٹیرس پر چلی آئی تھی جہاں سمعان شاہ ٹیرس کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

○❖○❖○

وہ اس کے دل کی جگہ اپنے ہاتھ سے مساج کررہا تھا اور زرنشاء کا وجود جیسے ساکت ہوکر رہ گیا تھا۔ پچھلے تین سالوں میں پہلی بار وہ اسے چھونے کی جسارت کررہا تھا اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اس کے سامنے ہل نہیں پارہی تھی۔

”اب تو سب کچھ ویسا ہی ہورہا ہے جیسا تم چاہتی ہو پھر بھی ذہنی دباؤ کا شکار ہو کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“

نگاہ اس کے سینے پر جمائے جمائے ہی اس نے پوچھا تھا۔ جب وہ نگاہ چراتے ہوئے بولی۔

”کوئی ڈپریشن نہیں ہے۔“

”اس کا مطلب ہے عمار جھوٹ بول رہا تھا۔“

”پتہ نہیں۔“

وہ اس لمحے اتنی کنفیوز ہورہی تھی کہ اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ شانزل نے اس کے اس انداز کو بھی اس کا گریز ہی جانا تھا۔ شاید تبھی وہ ٹیوب بند کرکے گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے قریب سے اٹھ گیا۔

”کاش تم سمجھ سکتیں زرنشاء کہ کسی نے تمہیں کتنا ٹوٹ کر چاہا ہے۔“

”بکواس ہے یہ چاہت‘ جو دل سے چاہتے ہیں وہ اپنے محبوب کو کبھی اذیت سے دوچار نہیں کرتے۔“ ایکدم سے دل کا غبار نکلا تھا۔ شانزل نے چونک کر اس کی طرف نگاہ کی۔

”میں نے کب اذیت سے دوچار کیا ہے تمہیں؟ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا‘ اس میں ستر فیصد تمہاری اپنی عقل کا قصور تھا۔“

بہت دنوں کے گیپ کے بعد وہ آج پھر اس موضوع کو ڈسکس کررہے تھے۔

”اوکے‘ میں آپ سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

اس بار زرنشاء نے قطعی روکھے انداز میں کہتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

”تمہیں خود پر‘ اور مجھ پر رحم نہیں آتا زریں؟“

اس کے قریب ہی بیڈ پر اپنی نشست سنبھالتے ہوئے اس نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی تو زرنشاء کی آنکھیں خود بخود آنسوؤں سے بھر آئیں۔

”آپ کو کب اپنا پابند رکھا ہے میں نے‘ جب جتنی چاہیں شادیاں کرلیں‘ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”سچ......؟“

گداز لبوں پر بڑی محفوظ مسکراہٹ سجا کر اس نے زرنشاء کا رخ اپنی طرف کیا تو اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لئے۔

”ہاں......“

”تھینکیو‘ تم واقعی بہت عظیم لڑکی ہو۔ اب تک جو کچھ بھی میں نے تمہارے ساتھ کیا۔ مجھے اس پر

بے حد شرمندگی ہے مگر محض معافی سے اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا' اسی لئے میں نے تمہیں ڈائیورس دینے کا فیصلہ کیا تاہم جانے سے پہلے صرف ایک احسان اور کروگی مجھ پر؟''

وہ یوں بات کررہا تھا جیسے اب تک نجانے ان دونوں کے بیچ کتنے محبت بھرے تعلقات قائم رہے ہوں۔ زرنشاء نے بمشکل پلکیں اٹھا کر اس کے دہکتے چہرے کی جانب نگاہ کی تھی۔

''بولئے۔''

''میری شادی اپنے ہاتھ سے کروادوگی؟ آئی مین خود لڑکی ڈھونڈ کر اپنی موجودگی میں نکاح کروا دینا پھر جب سب کچھ سیٹ ہوجائے تو جہاں تمہارا دل چاہے وہاں چلی جانا۔''

وہ ایکسائیٹڈ ہورہا تھا جبکہ زرنشاء کی سانس جیسے دل کے اندر ہی کہیں الجھنے لگی تھی۔ وہ شخص صرف لٹیرا ہی نہیں ظالم صیاد بھی تھا۔ زرنشاء اس لمحے اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتی تھی' اپنی خودداری سلامت رکھنے کے لئے اس سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

عین اسی لمحے وہ مسکراتے ہوئے اس پر جھکا تھا۔

''بس...... اتنی ہی بہادر ہو تم......؟''

کہنے کے ساتھ ہی اس نے ذرنشا کو کھینچ کر اپنے ساتھ لگالیا تو اس کے ضبط کی رہی سہی طنابیں بھی ٹوٹ گئیں۔ اپنے ہی صیاد کے سینے میں منہ چھپا کر جو اس نے رونا شروع کیا تو پھر جیسے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ شانزل بہت اپنائیت سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیر رہا تھا اور وہ بچوں کی طرح بے اختیار ہوکر زاروقطار رو رہی تھی۔

اگلی صبح خاصی روشن تھی۔

شانزل کی آنکھ کھلی تو اس نے ذرنشاء کو اپنے بازو پر سر رکھے نیند میں مدہوش پایا۔ کتنی خوبصورت اور ناقابل یقین حقیقت اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اس کا دل اس لمحے اسے مزید جسارتوں پر اکسا رہا تھا مگر زرنشاء کے جاگ جانے کے خدشے سے خود پر کنٹرول پاکر وہ آہستگی سے اسے خود سے الگ کرکے بستر سے نکل گیا۔

شاور لینے کے بعد جس وقت وہ واش روم سے باہر آیا' زرنشاء اس کے لئے ناشتہ تیار کرچکی تھی۔

''تمہیں آرام کرنا چاہئے تھا زریں' تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

وہ خاموش رہی تھی' شانزل ناشتہ کرنے کی غرض سے چپ چاپ بیڈ پر ٹک گیا تھا۔

''میں...... کچھ روز کے لئے مما کے پاس جانا چاہتی ہوں۔''

بیڈ کے قریب ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کر اس نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ جواب میں شانزل یزدانی نے ناشتے سے ہاتھ روک لیا۔

''کیوں......؟''

''پتہ نہیں' میرا دل چاہ رہا ہے ان سب سے ملنے کو۔''

''ٹھیک ہے' جس وقت بھی جانا چاہو مجھے انفارم کردینا' میں چھوڑ آؤں گا۔''

قطعی مختصر انداز میں کہتے ہوئے اس نے چند گھونٹ میں چائے کا کپ خالی کیا اور کمرے سے نکل کر باہر لاؤنج میں آبیٹھا۔

پورے تین ماہ بعد وہ اپنے میکے کی طرف آئی تھی۔ گیٹ توقع کے عین مطابق سامعیہ نے کھولا تھا۔ شانزل وہاں بمشکل دس منٹ ٹھہر کر اپنے آفس روانہ ہوچکا تھا' جبکہ وہ سامعیہ کی ہمراہی میں اس

سے سب کا حال احوال دریافت کرتی نفیسہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ جن کی صحت اب پہلے سے قدرے بہتر تھی۔ سامعیہ کے دونوں بچے یقیناً اسکول گئے تھے۔ تبھی گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ نفیسہ بیگم سے مل کر وہ سامعیہ کے کمرے میں آئی تو اس نے پوچھ لیا۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں زریں......؟''

''پتہ نہیں سامی' میری زندگی میں کہیں بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔''

شفاف گلابی ہتھیلیوں پر نگاہ جماتے ہوئے اس نے گہری سانس بھری تھی جب وہ بولی۔

''تمہیں ایک مخلصانہ مشورہ دوں۔''

''کیا؟''

''خودکشی کرلو لمحہ بہ لمحہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی مار دینے سے کہیں بہتر ہے کہ تم خود اپنے ہاتھوں ہی مرجاؤ۔''

زرنشاء اس کے الفاظ پر ہنسی تھی۔ پھر اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''پتہ ہے سامی' پچھلے تین ماہ میں میری زندگی میں ایک نیا انقلاب آیا ہے' چپ چاپ خاموشی سے۔''

''اچھا...... اب کونسا نیا انقلاب آگیا محترمہ کی زندگی میں' ذرا ہم بھی تو سنیں۔''

اس کا انداز استہزائیہ تھا مگر زرنشاء نے پروا نہیں کی۔ وہ اب بھی اپنی ہی ذات میں کہیں کھوئی ہوئی تھی۔

''سامی...... مجھے...... مجھے وہ اچھا لگنے لگا ہے' میری ذات کے گرد جو بے حسی کا پتھریلا حصار قائم ہوگیا تھا' اسے شانزل یزدانی کی جنونی محبت نے توڑ کر پاش پاش کردیا ہے۔ میری جان جاتی ہے

قرآنی آیات کی عام فہم تفاسیر جنہیں
مشتاق احمد قریشی
نے مستند تفاسیر اور حوالوں سے آراستہ گیا ہے

کتاب کا نام		قیمت
سورۃ اخلاص سورۃ الاخلاص کی آسان تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
معاذ اللہ اعوذ باللہ کی آسان تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
العصر سورۃ العصر کی آسان تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
الکفرون سورۃ الکفرون کی آسان تفسیر	=	۷۵ ہدیہ
الفاتحہ سورۃ الحمد کی آسان تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
کلمہ طیبہ کلمہ طیبہ کی آسان تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
معوذتین سورۃ خلق والناس کی تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
الکوثر سورۃ الکوثر کی آسان تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
السلام علیکم سلام کی آسان قرآنی تفسیر	=	۹۰ ہدیہ
یا الذین امنو وہ آیات قرآنی جس میں اللہ نے براہ راست اہل ایمان کو مخاطب کیا	=	زیر طبع
امام اعظم حیات و فقہی کارنامے امام ابو حنیفہ کی زندگی اور فقہ کے بارے میں کارآمد کتاب	=	۱۵۰ ہدیہ

ملنے کا پتا
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز
احمد چیمبر ڈاکٹر بلموریا اسٹریٹ'
آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۔ ۷۴۲۰۰

اب یہ سوچتے ہوئے بھی کہ وہ مجھ سے دور ہو جائے گا۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے مگر اب میں اس سے الگ ہونا نہیں چاہتی۔"

نظریں جھکائے وہ اپنی بے بسی کا اعتراف کر رہی تھی اور سامعیہ کی آنکھیں جیسے حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"وہاٹ...... تمہیں پتہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟"

اسے تو جیسے اپنی سماعتوں پر یقین کرنا ہی مشکل ہو گیا تھا۔

"ہاں۔"

"یار...... یہ تو بہت بڑا سرپرائز ہے۔ تم نے شان بھائی کو بتایا۔"

"نہیں...... میں چاہ کر بھی اس کے سامنے اپنی خودداری کا بھرم نہیں کھو رہی ہوں۔"

اس کے لہجے میں شکستگی کی واضح جھلک تھی۔

سامعیہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔

"تم کبھی نہیں سدھر سکتیں۔ کبھی بھی نہیں۔"

قدرے خفگی سے کہتے ہوئے وہ اس کے قریب سے اٹھ گئی تھی جبکہ زرنشاء وہیں کمرے میں صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنی زندگی کے کھوئے ہوئے لمحوں میں گم ہو گئی۔

○❖○❖○

زریں، میں دبئی جا رہا ہوں۔"

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ٹیرس پر سمعان شاہ کے مقابل آن کر کھڑی ہوئی تو اس نے سنجیدگی سے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اسے مطلع کر دیا۔ جواب میں اس کے دل کو زبردست دھچکا لگا تھا۔

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں کیوں، میرا دل نہیں لگ رہا یہاں پر۔"

پلٹ کر اس کی طرف پشت کرتے ہوئے اس نے افسردگی سے کہا تھا، جب وہ چیخ کر بولی۔

"دبئی میں دل لگ جائے گا؟"

"پتہ نہیں۔"

وہ جیسے خود اپنے آپ سے بھی بیزار ہو رہا تھا۔

تبھی اس نے بڑی چاہ سے اسے پکارا تھا۔

"سمعان۔"

مگر سمعان شاہ نے پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھیں اس وقت نم ہو رہی تھیں۔

"مجھے غلط مت سمجھنا زریں، میں خود بھی فی الحال خود کو سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل میری بات کو قبول نہیں کر پا رہا ہے، محبت شاید ایسی ہوتی بھی نہیں ہے، میں اس سلسلے میں تم پر کوئی دباؤ بھی نہیں ڈال سکتا مگر اس کے باوجود جانے یہ کیسی بے قراری ہے جو میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔ میری نیندیں حرام ہو کر رہ گئی ہیں، نہ کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ پینے کو، تم ہی بتاؤ زریں، میں کیا کروں؟" وہ شخص جو حسن و وجاہت کے ساتھ ساتھ کھلنڈرے پن اور بے نیازی میں بھی اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا اس وقت اس کی آنکھوں میں جھلکتے محبت کے رنگ جھوٹے نہیں تھے۔

یہی وہ لمحہ تھا جب وہ پگھل کر موم ہوئی تھی۔

"سمعان، آئی ایم سوری پلیز۔"

"سوری فار وہاٹ زریں۔"

"مت جاؤ یہاں سے پلیز...... اب تم جیسا کہو گے میں ویسا ہی کروں گی۔"

تکلف کی آخری اینٹ بھی اس نے جذبات میں گرا دی تھی۔ جواباً سمعان شاہ کے چہرے پر لمحے میں خوب صورت رنگ بکھرے تھے۔

"تمہارا مطلب ہے، تم مجھ سے محبت کرتی

ہو......؟"

"ہاں۔"

اس نے اعتراف میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ سمعان شاہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

"تھنک یو، تھنک یو سو مچ مائی سوئیٹ زریں! آئی لو یو سو مچ۔"

شدید جذباتی ہوتے ہوئے اس نے زرنشاء کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"بس، اب تو خوش ہو ناں، اب میں جاؤں......؟"

"نہیں......"

"کیوں......؟"

"بس نہیں ناں، مجھ سے باتیں کرو، ڈھیر سارا پیار کرو، اور...... اور...... اور"

"تم پاگل ہو گئے ہو سمعان۔"

"ہاں ہو گیا ہوں پاگل، پھر...... کوئی علاج ہے تمہارے پاس۔"

جگنوؤں سی سیاہ روشن آنکھوں میں جلتے خوشی کے دیپ زرنشاء آفندی کے اندر باہر بھی روشنی ہی روشنی بکھیر رہے تھے۔ اسی روز مایوں کی تقریب کے اختتام پر ان دونوں نے مل کر ڈانس بھی کیا تھا۔ اور ڈانس کے دوران سمعان شاہ نے سب سے آنکھ بچا کر کئی چھوٹی چھوٹی گستاخیاں بھی کی تھیں۔

زرنشاء کا دل پہلی محبت کے طلسم کدہ خمار میں ڈوب کر جیسے اپنی مرضی سے دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ سمعان شاہ کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹنے نہ دے۔ دوسری جانب سمعان شاہ خود بہانے لے کر دن رات وہیں ڈیرا جمائے رکھتا تھا۔ زرنشاء کو چوڑیاں پہننی ہوتیں تو وہ اپنی خدمات پیش کرتا، اسے بال بنانے ہوتے، بالیاں پہننی ہوتیں، یا مارکیٹ سے کوئی چیز منگوانی ہوتی تو سمعان ہی اس کی ہیلپ کرتا اور اس معاملے میں طائشہ کے ساتھ ساتھ سامعیہ بھی اس کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہی تھی۔

دونوں گھرانوں کے درمیان گزرتے ہر دن کے ساتھ مضبوط ہوتے تعلقات بھی ان دونوں کے حق میں بہتر رہے تھے۔ ان دنوں زرنشاء آفندی کے پاس سمعان شاہ کو پینٹ کرنے کے سوا اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ عدنان شاہ آفندی کے سسر کی ڈیتھ ہو جانے کے باعث فی الحال اس کی شادی ملتوی کر دی گئی تھی۔ یوں نائمہ آفندی کی شادی کے لئے اور بھی دل کھول کر اخراجات ہونے لگے تھے۔

سامعیہ، سمعان شاہ کا جھکاؤ زرنشاء آفندی کی طرف دیکھ کر رضاکارانہ طور پر خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جس پر زرنشاء نے اس کا خوب ریکارڈ لگایا تھا۔

نائمہ آفندی کی شادی کے ہر ہر فنکشن کو خوب انجوائے کرنے کے بعد ان کی محبت میں اور بھی پختگی آ گئی تھی۔

نازیہ کنول نازی کے آنچل میں شائع ہونے والے
آپ کے پسندیدہ ترین ناول اور شعری مجموعہ
(۱) "تنہا چاند" (شعری مجموعہ)
(۲) "جو ریگ دشت فراق ہے" (ناول)
(۳) "محبت اِک سلگتی شام" (ناول)
(۴) "بن تیرے زندگی" (ناول)
(۵) "دل ایک بجن ہرجائی" (ناول)
لاہور سے چھپ کر مارکیٹ میں آ گئے ہیں
مناسب قیمت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ
اپنے اپنے شہر کے بک اسٹال سے حاصل کریں

سامعیہ شادی کے بعد اپنے گھر واپس کراچی چلی ئی تو زرنشاء کو سمعان کے قریب ہونے کا اور بھی یادہ موقع مل گیا۔ اب ہر روز رات میں دونوں اپنے پنے کمرے کے باہر ٹیرس پر کھڑے ہو کر نہ صرف ک دوسرے کو دیکھتے رہتے بلکہ گھنٹوں موبائل فون باتیں بھی کرتے رہتے۔

زرنشاء کا زیادہ وقت اب گرین ہاؤس میں ہی لزرنے لگا تھا۔ سمعان شاہ کے لئے وقت بے ت چائے بنانا' اس کے کمرے کی صفائی کرنا' مسز ور کے ساتھ اڑوس پڑوس کے لوگوں کی باتیں اور الات ڈسکس کرنا' سب اس نے اپنے ذمے لے یا تھا۔ سمعان کے ساتھ ساتھ مسز یاور بھی اس سے بے حد خوش تھیں۔ البتہ اپنی ماں نفیسہ بیگم سے گاہے گاہے اسے شدید ڈانٹ پڑتی رہتی تھی جس کی وہ پروا ی نہیں کرتی تھی۔

پہلی پہلی محبت کا شاید نشہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ دل دماغ پر کوئی اور چیز جیسے اثر ہی نہیں کرتی۔ سمعان ب سنجیدگی سے کوئی نہ کوئی جاب ڈھونڈنے کی کوشش یں لگ گیا تھا' اکثر وہ تھک کر گھر واپس آتا تو زرنشاء کو گرین ہاؤس میں موجود پاتا۔

اس روز بھی وہ کہیں انٹرویو دینے گیا ہوا تھا' مسز یاور کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ پچھلے تین چار روز سے انہیں ہت تیز بخار آ رہا تھا۔ طائشہ کے امتحانات سر پر تھے لہٰذا وہ بھی کئی دنوں سے چکر نہ لگا پائی تھی۔ یاور صاحب البتہ شام میں اکثر جلدی ہی گھر واپس لوٹ آتے تھے۔

مسز یاور کی خراب طبیعت کے پیش نظر نفیسہ بیگم نے خود ہی زرنشاء کو گرین ہاؤس میں ان کی خدمت گزاری کی اجازت دے دی تھی۔ ان کے اپنے گھٹنوں اور کندھوں میں شدید تکلیف کے باعث وہ روزانہ خود آ کر مسز یاور کی خیریت دریافت نہیں کر سکتی تھیں لہٰذا زرنشاء کی زبانی ہی انہیں گرین ہاؤس کے مکینوں کے حال احوال کی خبر بھی ملتی رہتی تھی۔

زرنشاء نے اس روز بھی معمول کی مانند' مسز یاور کے لئے سوپ اور پرہیزی کھانا بنانے کے بعد انہیں دوا دی' اور سمعان کے لئے دوپہر کا کھانا بنایا اور ابھی وہ اس کا کمرہ صاف کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ وہ تھک ہار کر گھر واپس چلا آیا۔

"آج اتنی دیر کر دی خیریت تو تھی ناں؟"

اسے جوتوں کے تسمے کھولتے دیکھ کر وہ خود بھی اس کے قریب قدرے فاصلے پر بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی۔

"خیریت ہی تھی یار' پاکستان میں اچھی جاب تلاشنے والوں کو اچھے خاصے دھکے تو کھانے ہی پڑتے ہیں۔"

"سمعان' گرین ہاؤس میں آنے سے پہلے آپ لوگ کہاں رہتے تھے؟"

وہ اب اس کی الٹی سیدھی حرکتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ حقیقت میں سمعان اپنی انہی کھلنڈری حرکتوں کی وجہ سے اسے اچھا لگتا تھا۔ اس کے بال محبت سے سنوارتے ہوئے بولی تو اس نے بتایا۔

"گاؤں میں رہتے تھے۔ اصل میں میرے ڈیڈی نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی اپنے والدین کی مرضی سے گاؤں میں اور دوسری میری مما کے ساتھ شہر میں اپنی پسند سے۔ اب تک ہم لوگ اکٹھے ہی رہتے چلے آ رہے تھے۔ میں تو زیادہ تر ہوسٹل میں ہی رہا ہوں۔ طائشہ کے سلسلے میں تھوڑا پرابلم تھا۔ لہٰذا اس لیے پاپا کو شہر شفٹ ہونا پڑا۔ اب دادا' دادی تو رہے نہیں۔ پاپا اکلوتے بیٹے تھے اپنے والدین کے۔ لہٰذا ان کی تمام جائیداد کے وارث بھی ہیں۔ طائشہ اور شانزل بھیا ہی ہیں۔"

"شانزل بھیا کون......؟"

"بڑے بھائی ہیں ہمارے' پاپا کی پہلی بیگم سے ایک وہی ہوئے ہیں۔ بڑی عجیب وغریب سی یت ہے ان کی۔ پورا گاؤں ڈرتا ہے۔ کسی کی ں نہیں کہ ان کے سامنے اونچی آواز میں بات بھی لے۔"

رنشاء کے لئے اس کا یہ انکشاف کہ اس کے پاپا دو شادیاں کی تھیں' خاصا حیران کن تھا۔

سمعان اسے اپنے گاؤں کے متعلق اور بھی بہت بتا تا رہا تھا' جسے وہ مکمل توجہ سے سنتی رہی تھی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔

"پتہ ہے زریں' جب ہماری شادی ہو گی ناں' تو مہینے کے پندرہ دن گاؤں میں بڑی ماں کے پاس ارا کریں گے اور باقی کے پندرہ دن یہاں شہر میں کے پاس۔ تمہیں مزے کی بات بتاؤں' میں مما کے ساتھ بڑی ماں کا بھی بے حد لاڈلہ ہوں۔ زل بھیا کا سلوک البتہ میرے ساتھ اچھا نہیں ۔ پتہ نہیں کیوں وہ مجھ سے حسد محسوس کرتے ں۔ خیر میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا تھا تو جب میوں کا موسم ہو گا ناں تب میں ڈیرے پر رہا کروں تم وہیں میرے لئے کھانا لے کر آنا۔ پوری دوپہر وہیں گزارا کریں گے۔ میں تمہیں امرود' سیب ن توڑ توڑ کر دیا کروں گا اور تم وہاں میرے سامنے کر مزے مزے سے کھایا کرنا۔ ٹیوب ویل کے ڈے شفاف پانی سے ہم کھیتوں کو سیراب کرنے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو نہلایا بھی کریں گے۔ گاؤں میں اتنا مزہ آتا ہے کہ جواب نہیں۔"

زرنشاء کو وہ اپنی سادگی اور معصومیت کی وجہ سے بے حد محبوب تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کے پرجوش ے کو نثار ہو جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اور کچھ......؟"

"اور بھی بہت کچھ ہے' ایک بار میری زندگی میں آؤ تو سہی' ہر دن عید اور ہر رات شب برات نہ ہو جائے تو کہنا۔"

وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا اور زرنشاء بظاہر اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے آنے والے خوب صورت دنوں کے خواب اپنی آنکھوں میں بسا رہی تھی۔

اس روز موسم بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔

زرنشاء آفندی نے سمعان شاہ یزدانی کی نئی تصویر چوری چھپے پینٹ کی تھی۔ سمعان کو سرپرائز دینے کے خیال سے ہی صبح جا کر اس نے وہ تصویر اس کے کمرے میں چھپا کر رکھ دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جیسے ہی سمعان اس کی پینٹ کی ہوئی وہ خوبصورت تصویر اپنے کمرے میں دیکھے گا' فوراً خوش ہو کر اس سے ملنے کو دوڑا آئے گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

صبح سے شام ہونے کو آئی تھی مگر نہ تو وہ خود اسے ملنے کو دوڑا آیا تھا نہ ہی اس نے کوئی فون کیا تھا۔ تبھی وہ انتظار کی مشقت سے تھک کر خود ہی گرین ہاؤس کی طرف چلی آئی۔ نفیسہ بیگم اس وقت آرام کر رہی تھیں۔

گرین ہاؤس کا گیٹ اکثر کھلا ہی ملتا تھا' لہٰذا وہ بڑے دھڑلے سے سرسبز لان عبور کرتی لاؤنج میں چلی آئی جہاں ٹی وی کے سامنے ہی اسے سمعان بیٹھا دکھائی دے گیا۔ وہ اس کی صرف پشت دیکھ پائی تھی لہٰذا چپکے چپکے دبے پاؤں چلتی عین اس کے قریب آ گئی اور بڑے مزے سے اپنے سرد ہاتھ اس کی آنکھوں پر دھر دیئے مگر اس وقت ٹی وی کے سامنے بیٹھا وہ شخص سمعان یزدانی نہیں تھا۔

باقی دوسری قسط میں

[illegible]

نازی کنول نازی

دل میں وفا کی ہے طلب، لب پہ سوال بھی نہیں
ہم ہیں حصارِ درد میں، اس کو خیال ہی نہیں
اس سے کہو کہ دو گھڑی، ہم سے وہ آ ملے کہیں
مانا محال ہے مگر، اتنا محال بھی نہیں

خواب اپنے میری آنکھوں کے حوالے کر کے
تُو کہاں ہے مجھے وعدوں کے حوالے کر کے
مجھ کو معلوم تھا اک روز چلا جائے گا
وہ میری عمر کو یادوں کے حوالے کر کے

دروازہ کھلا تھا۔

اور وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے سر پیچھے دیوار کے ساتھ لگائے جانے کن سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

زندگی نے جتنا عجیب کھیل اس کے ساتھ کھیلا تھا اس کے بارے میں وہ کبھی سرسری سا سوچ بھی نہیں پائی تھی۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے اپنے میکے آئے اس دوران اس شخص نے جو اس سے جنوں خیز محبت کا دعویدار تھا پلٹ کر ایک بار بھی اس کا حال پوچھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے میں دو تین مرتبہ اس کی طرف سے فون ہوا تھا مگر اس پر بھی اس نے کوئی خاص محبت نہیں جتائی تھی۔ اس کا انداز گفتگو معمول کی مانند ٹھہرا ہوا اور دو ٹوک رہا تھا۔ زرتاشہ کی خودداری کا پھر خون ہوا تھا۔

وہ اسے اپنے لیے تڑپتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔ اس غرض سے وہ میکے آئی ہوئی تھی تاکہ وہ خود اسے فون کر کے اس سے کہے کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسے اس کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ پورا گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ مگر۔۔۔۔ پچھلے ایک ہفتے میں اس کی طرف سے ایسی کوئی کال نہیں آئی تھی۔ وہ اس سے یکسر بے نیاز ہو بیٹھا تھا جیسے ان دونوں کے بیچ قائم سارے تعلقات ختم ہو گئے ہوں۔ اسے اس کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا اور یہی احساس تو زرتاشہ آفندی کی "میں" کو مارنے میں بڑا کردار ادا کر رہا تھا۔

اس کا جگر جیسے کٹ رہا تھا۔

عورت کیلئے سب سے قیمتی چیز اس کا مان ہوتی ہے پھر کسی بھی وجہ سے جب یہ مان ٹوٹتا ہے تو اس کی اذیت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس سے بھی یہ اذیت سہی نہیں جا رہی تھی۔ آج کل شدت سے اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اتنا روئے کہ موت کو اس پر رحم آ جائے اور زندگی کا ساتھ

اس سے چھوٹ جائے مگر زندگی کا احساس و ساتھ اس سے نہیں چھوٹ رہا تھا۔ بوجھل اعصاب اور غیر متوقع حالات کے ساتھ وہ یونہی جیتے چلی جا رہی تھی۔

ساحرہ اسے چائے دینے کیلئے آئی تو اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"زریں......"

"ہاں......" اس کے پکارنے پر اس نے فوراً گھٹنوں سے سر اٹھایا تھا۔

"ایسا کب تک چلے گا یار......"

"کیا؟"

وہ اب براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ تب وہ بولی۔

"تم بچی نہیں ہو جو میری بات سمجھ نہ سکو۔ خدا کا واسطہ ہے تمہیں افسانوں کی فرضی دنیا سے نکل کر حقیقت کی زندگی میں سانس لینا سیکھو۔ انسانی زندگی اور کردار تمہاری کوئی تصویر نہیں ہیں جن میں تم اپنی مرضی کے رنگ بھر کر اسے خوشنما بنا سکو۔ کیوں نہیں بھول جاتیں تم کہ اب کسی سمعان شاہ کا تمہاری زندگی میں کوئی دخل نہیں رہا ہے۔ بھول جاؤ کہ تمہارا واسطہ بھی کسی سمعان شاہ کے ساتھ رہا ہے۔ اب یہاں اس گھر کی چار دیواری میں کسی سمعان شاہ کا گزر نہیں ہوگا جو چیز تمہارا نصیب تھی وہ تمہیں مل گئی جس شخص کو اللہ نے تمہارے لیے بہتر سمجھا اسے تمہارا ہم سفر بنا دیا۔ خدا کی رضا میں راضی کیوں نہیں رہتیں تم کیوں نہیں سمجھتیں کہ لڑکیاں صرف خواب دیکھ سکتی ہیں ان کی تعبیر پانا ان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہی انسان کی کامیابی ہے جان لو زریں! ہر رشتے کو کھو کر زندہ رہنا ایک عورت کیلئے بہت زیادہ مشکل ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں یہ سب باتیں تمہیں سمجھا رہی ہوں۔"

اس کے لہجے میں تھکن تھی زرنشا نے پھر سے اپنا سر گھٹنوں پر گرا لیا۔

"مجھے مت سمجھاؤ ساحی! میرے دل کو سمجھاؤ اسے کوئی تکلیف ہے جو نہ خود سکون سے جیتا ہے نہ مجھے جینے دیتا ہے۔"

وہ خود اپنے آپ سے بیزار دکھائی دے رہی تھی۔

ساحرہ کو اس پر بے ساختہ ترس آیا تھا۔

"زریں...... تمہیں اعتراف ہے ناں کہ تم شاذل یزدانی سے محبت کرنے لگی ہو......؟"

"ہاں......"

"تو پھر تم اپنے ساتھ یہ اچھا کیوں نہیں کر رہی ہو زندگی معمول پر کیوں نہیں لے آتیں......؟"

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے ساحی! اس شخص کو اب میرے وجود سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وہ مجھ سے بیزار ہو گیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ بہت جلد وہ مجھے ڈائیورس دے کر اپنی زندگی سے الگ کر دے گا۔ خود ہی بتاؤ ایسی صورت حال میں میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"تم بہت کچھ کر سکتی ہو۔ یہ جو فاصلے تم دونوں کے درمیان قائم ہوئے ہیں مت بھولو کہ اس کی ذمہ دار بھی تم ہی ہو۔ شاذل کی ذات کی اچھائیاں تم پر کھل چکی ہیں اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اسے اپنی طرف مائل کرو اسے یہ احساس دلاؤ کہ وہ تمہاری زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یاد رکھنا زریں ان انا کے چکروں میں الجھ کر آج تک ہر عورت نے دکھ ہی اٹھائے ہیں اپنے دامن میں کانٹے ہی سمیٹے ہیں۔ محبت کے درمیان اگر فاصلوں کی دیوار حائل ہو جائے تو پھر اسے چاہ کر بھی گرانا ممکن نہیں رہتا۔"

ساحرہ بہت اچھے انداز میں اس کی برین واشنگ

کر رہی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو زریں! مگر ہر اچھے انسان کی قسمت بھی اچھی ہو ایسا ممکن نہیں ہے۔ تمہیں اپنے لیے خوشیوں کے راستے خود ہی ہموار کرنے ہیں یاد رکھو زریں! کسی بھی انسان کے چاہنے یا خواہش کرنے سے زندگی کبھی کہیں نہیں ٹھہرتی پھر دل میں وہ بھی کیوں ٹھہرے......؟"

اسے ساحرہ کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں۔ تبھی چپ چاپ سر جھکائے سنتی رہی۔

محبت کا قافلہ گزر چکا تھا مگر اس کا دھواں اب بھی باقی تھا۔

ساحرہ اس سے اور بھی جانے کیا کیا کچھ کہہ کر وہاں سے جا چکی تھی مگر وہ اب بھی وہیں بیٹھی لاتعداد سوچوں میں کھوئی رہی تھی۔

سامنے والے گرین ہاؤس میں پچھلے تین سال سے کوئی نہیں آیا تھا۔ سرسبز لان میں جا بجا سوکھے پتے بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ گرے گیٹ پر پڑا تالا اسے عجیب سی وحشت کا احساس دلا رہا تھا۔

وہاں گرین ہاؤس کے در و دیوار میں ویسی ہی وحشت ناچتی دکھائی دے رہی تھی جو اس کے اندر پچھلے تین سال سے جم کر بیٹھ گئی تھی۔ گم صم انداز میں بند کھڑکی کے شیشوں پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے اس نے پھر شاذل یزدانی کے بارے میں سوچا تھا۔

وہ چونکی تھی۔ اس وقت جب ٹی وی کے آگے بیٹھے اس شخص نے قدرے حیرانی سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ چونکنے کے ساتھ ساتھ زرنشا اس اجنبی شخصیت کو دیکھ کر قدرے گھبرا بھی گئی تھی۔

"سوری میں بھی سمعان ہے۔"

وہ چپ رہا تھا تاہم اس کی آنکھیں اس کے خوبصورت چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

زرنشا کو وہ ایک فیصد بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ گندمی رنگت، بڑی بڑی مونچھیں، کشادہ پیشانی، غلافی آنکھیں وہ دیکھنے میں واقعی متاثر کن تھا مگر اس کے چہرے پر چھپی اور عجب جھلک رہا تھا اس نے زرنشا کو خوف زدہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی قیاس لگا پاتی سرتاج ادھر وہاں آ گئیں۔

"ارے زریں بیٹے تم کب آئیں......؟"

بخار نے انہیں اچھا خاصا نڈھال کر چھوڑ دیا تھا۔ تاہم زرنشا انہیں دیکھ کر قدرے پرسکون ہو گئی تھی۔

"بس ابھی آئی۔ سمعان کہاں ہے؟"

"سمعان اور تمہارے انکل تو اسلام آباد گئے ہیں بتایا نہیں تمہیں اس نے؟"

"نہیں آج صبح سے ہی میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی واپسی کب تک ہو گی ان کی......؟"

"دو تین روز لگ جائیں گے تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

انہوں نے اب تک اجنبی بارعب شخصیت سے اس کا تعارف نہیں کروایا تھا مگر پھر بھی زرنشا جان گئی تھی کہ وہ موصوف شاذل یزدانی ہی ہوگا جس کے بارے میں سمعان پہلے ہی اسے بہت کچھ بتا چکا تھا۔ تبھی وہ بولی نہیں۔

"نہیں آنٹی میں پھر آ جاؤں گی فی الحال تو آپ اپنے مہمان کو کمپنی دیجیے۔"

سرعت سے کہنے کے ساتھ ہی وہ وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ سرتاج نے بھی اسے وہاں رکنے کیلئے اس وقت کوئی اصرار نہیں کیا تھا۔

اگلے روز وہ دیر تک پڑی سوتی رہی تھی۔ اسے

سعان شاہ پر بے حد غصہ آ رہا تھا جو اسے اطلاع کے بغیر چلا گیا تھا۔ اور اس نے اپنا سیل بھی مسلسل آف کر رکھا تھا۔ نفیسہ بیگم نے گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر نیچے ہال میں آئی تو انہوں نے حکم جاری کر دیا۔

"زرین میں نے کچن میں مسز اور کیلئے کچھ حلوہ نکال کر رکھا ہے۔ گرین ہاؤس جاتے ہوئے لے جانا اور میری طرف سے ان کی خیریت بھی پوچھ لینا۔"

وہ انہیں کہنا چاہتی تھی کہ آج وہ گرین ہاؤس نہیں جائے گی مگر...... نہیں کہہ سکی۔ فی الحال وہ سعان اور اپنے تعلق کے بارے میں کسی کو بھی مشکوک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی حلوہ لے کر گرین ہاؤس چلی آئی تھی۔

ہلکی ہلکی بکھری ہوئی دھوپ بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ شانزل پرواہی لان میں ہی گلاب کی باڑ کے قریب بیٹھا اخبار پڑھتے ہوئے دھوپ سینک رہا تھا۔ وہ گیٹ کھول کر سرسری سی ایک نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد آگے بڑھنا ہی چاہتی تھی جب اس نے اخبار ایک سائیڈ پر رکھ کر اسے پکار لیا۔

"بات سنو۔"

زرتاشہ کے قدم خود بخود رک گئے تھے مگر اس نے پلٹ کر اس شخص کی طرف نہیں دیکھا تھا جس کی ذات سے اسے ایک فی صد بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"کہاں جا رہی ہو......؟"

وہ خود اٹھ کر اس کے مقابل آیا تھا۔ زرتاشہ کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔

"آنٹی کے پاس جا رہی ہوں آپ کو کوئی مسئلہ ہے......؟"

"ہاں مسئلہ تو ہے۔"

اس کی گہری بے باک نگاہوں نے بڑے بھرپور انداز میں اس کے مکمل سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ تبھی وہ چیخ کر بولی تھی۔

"تو پھر میں کیا کروں......؟"

"تمہیں کیا کرنا ہے اب جو بھی کروں گا وہ میں ہی کروں گا۔"

"کیا کریں گے آپ......؟" وہ اس سے نہ چاہتے ہوئے بھی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ جب وہ مجھے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہیں پرپوز کروں گا اور کیا کروں گا۔"

"شٹ اپ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔"

"اس میں بکواس کی کیا بات ہے دنیا میں سبھی شادی کرنے کے لئے کسی نہ کسی کو پرپوز تو کرتے ہی ہیں۔"

"کرتے ہوں گے مگر میں "کسی" نہیں ہوں سمجھے آپ۔ میری شادی ہوگی تو صرف سعان شاہ سے ورنہ کسی سے نہیں۔" وہ بھنا کر بولی تھی۔ جواب میں شانزل پرواہی کی آنکھوں میں پھر سے سرخی جھلکنے لگی تھی۔

"میں زیادہ بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں جو چیز مجھے پسند آ جائے میں ہر قیمت پر اسے خرید کر ہی رہتا ہوں۔"

"ضرور خرید لیتے ہوں گے مگر زرتاشہ آفندی کوئی چیز ہرگز نہیں ہے یاد رکھیے گا۔" اس کا اپنا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ شانزل اس سے کچھ کہتا وہ مسز اور کو حلوہ دیے بغیر الٹے قدموں واپس پلٹ آئی تھی۔ مسز نفیسہ نے اسے حلوہ واپس لاتے دیکھا تو حیرانی سے پوچھ بیٹھیں۔

"زرین! حلوہ واپس کیوں لے آئیں؟" وہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ زرتاشہ کے لیے ان کو

جواب دیے بغیر گزر جانا ممکن نہیں تھا تبھی بمشکل اپنے غصے پر قابو پا کر نارمل لہجے میں بولی۔

"آنٹی گھر پر نہیں تھیں مارکیٹ گئی ہوئی تھیں، سعان اور انکل بھی اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اسی لیے میں الٹے قدموں واپس لوٹ آئی۔"

"چلو ٹھیک ہے رکھ دو کچن میں۔" وہ اسی کہہ کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں تو زرتاشہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسے ایک مرتبہ پھر سعان شاہ پر بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ اسی غصے میں اس نے ایک مرتبہ پھر اس کا موبائل نمبر پریس کیا تو اس بار لائن کلیئر مل گئی۔ تین چار Bells جانے کے بعد جب سعان نے کال پک کی تو اسے خوامخواہ ہی رونا آ گیا۔

"ہاں زرین! کیسی ہو یار میں ابھی تمہیں کال کرنے ہی والا تھا۔"

"کوئی ضرورت نہیں تمہیں مجھ سے رابطہ کرنے کی، میں نے یہی کہنے کیلئے فون کیا ہے کہ آئندہ مجھ سے کسی قسم کا کوئی تعلق مت رکھنا میں تھوکتی بھی نہیں تمہاری محبت پر......"

"واٹ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" اسے نہ صرف شاک لگا تھا بلکہ وہ بے طرح پریشان بھی ہوا تھا۔

"جو کہہ رہی ہوں ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں تم جیسے فرادی لڑکوں کی محبت سوائے بکواس کے اور کچھ نہیں ہوتی۔"

اس وقت اس کے لئے اپنا غصہ کنٹرول کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ جواب میں سعان خاموش ہو کر رہ گیا۔ شاید اسے اس کے الفاظ سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی تھی۔ تبھی اس نے مزید کچھ کہے بغیر فوراً اپنا موبائل آف کر دیا تو زرتاشہ مزید حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔

رات گئے اس کا غصہ اترا تو اسے اپنے کہے الفاظ کی زیادتی کا احساس بھی ہو گیا۔ مگر سعان کا سیل اب بھی مسلسل آف جا رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت حال میں وہ کیا کرے؟

رات گئے تک کروٹ پہ کروٹ بدلنے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سامعہ کا سیل بھی آف تھا اور اس کا کچھ پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سی بے کلی نے پورے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ جبھی اسی لمحے اس کے سیل فون پر سعان کی طرف سے کال آئی تو اس کا دل بے طرح دھڑک اٹھا۔ اس کی طرح وہ بھی جاگ رہا تھا۔ زرتاشہ کال پک کرنے کے بعد بھی خاموش ہی رہی تھی جبکہ دوسری طرف وہ بھی کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا تھا۔

"میں کل صبح کی فلائیٹ سے لاہور واپس آ رہا ہوں زرین......"

"کیوں......؟"

"تمہارے لئے۔"

اس کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پریشان رہا ہے۔

"میرے لیے واپس آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے......"

ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھی مگر اب اسے نرم پا کر اس کا غصہ پھر سے عود آیا تھا۔ تبھی وہ بھی چپ تھا۔

"بکواس بند کرو زرین! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں مزید برداشت کا امتحان مت لو۔" کچھ پل دونوں کے مابین پھر خاموشی رہی تھی۔ پھر اس خاموشی کا گلا سعان نے ہی گھونٹا تھا۔

"پتہ نہیں صرف ایک ہی دن میں وہاں کیا قیامت آ گئی ہے جو تم اپنی محبت سے ہی منکر ہو گئی ہو

میں نے تو ایسی محبت نہ کہیں دیکھی نہ سنی کہ آپ کا قصور بھی نہ ہو اور کوئی آپ کو پھر بھی کھری کھری سنادے تمہارے سوا آج تک میں نے کبھی کسی کا غصہ برداشت نہیں کیا۔"

اس بار اس کا لہجہ نرم اور دھیما تھا۔ جواب میں زرتاشہ نے اپنے غصے کی حقیقی وجہ بیان کرتے ہوئے اسے تمام صورتحال سے حرف بہ حرف آگاہ کردیا۔

"اب تم ہی بتاؤ سعان میرا امیج لوز نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا وہ شخص تمہارا سگا بھائی نہ ہوتا تو میں اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کردیتی۔"

سعان اس کی زبانی شانزل کی حرکت کے متعلق جان کر حیران رہ گیا تھا۔

اگلے روز لاہور واپس پہنچتے ہی اس نے زرتاشہ کو انفارم کردیا تھا۔ شانزل اس وقت اپنے کمرے میں آرام کررہا تھا۔ وہ گرین ہاؤس کی طرف آگئی تو دل سعان شاہ سے صرف ایک دن کی جدائی پر تڑپ رہا تھا۔ سنز بادو اس کے لئے چائے بنا رہی تھیں۔ وہ انہیں سلام کرکے سیدھی سعان کے کمرے میں آگئی اور اس کے کندھے سے ٹیک لگا کر رو پڑی۔ سعان اس کی اس حرکت کے لیے بھی تیار نہ تھا۔

"زری... آر یو اوکے؟" نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے پھر پریشانی سے پوچھا تو زرتاشہ نے فوراً اپنا سر اس کے کندھے سے اٹھالیا۔

"ہاں... لیکن آئندہ تم کبھی بھی کہیں مت جانا پلیز..."

وہ اس کی اس بے وجہ محبت پر مسکرا دیا تھا۔

"او کے جو حکم میری سرکار کا اور کچھ...؟"

"اور کچھ نہیں بس تم آنٹی سے کہو کہ جلد از جلد میری مما سے میری انگیجمنٹ کیلئے بات کریں..."

اس کی پلکوں میں اب بھی نمی تھی۔ عین اسی لمحے سنز بادو نے سعان کے کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔ وہ زرتاشہ کی بات سن چکی تھیں۔ تبھی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ٹھیک ہے میں آج ہی آپ کی مما سے اس سلسلے میں بات کروں گی مگر... میرا نہیں خیال کہ وہ مانیں گی...؟"

"کیوں...؟" زرتاشہ اور سعان دونوں نے ایک ساتھ چونک کر پوچھا تھا۔ جب وہ بولیں۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے ابھی میرا بیٹا بہت نالائق ہے۔ نہ مزاج میں سنجیدگی ہے اور نہ کوئی ڈھنگ کا کاروبار۔ ایسے نالائقوں کو کون اپنی اتنی پیاری بیٹی اٹھا کر دیتا ہے؟" سعان نے منہ بسور کر احتجاجاً ان پر نظر ڈالی تھی جو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"چلو ٹھیک ہے تھوڑی دیر آرام کرلو تب تک میں شانی کو کھانا دے کر آتی ہوں۔"

اپنے مزاج کی سادگی اور خلوص کے باعث وہ زرتاشہ کو بے حد اچھی لگتی تھیں۔ اس وقت وہ ان کی ہیلپ کے خیال سے ان کے ساتھ ہی اٹھ کر آنے لگی تو سعان نے سرعت سے اس کا آنچل تھام کر اپنی مٹھی میں لے لیا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟"

"کچن میں..."

"کچن کو گولی مارو یہاں بیٹھ کر میری باتیں سنو..."

"کیوں میں تمہاری ملازمہ ہوں؟" وہ چونک کر بولی تھی۔ جب وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"نا جی ملازماؤں سے دیوانے والا نہیں ہوں۔ میں تو اپنی ہونے والی بیوی سمجھ کر تم سے کہہ رہا ہوں۔"

"سعان... اب تم پٹ جاؤ گے مجھ سے۔" شرم سے سرخ پڑتے ہوئے اس نے ایک دھموکا سعان کے بازو پر رسید کیا تو اس نے کھینچ کر زرتاشہ کو اپنے قریب ہی بیڈ پر بٹھالیا۔

"کیوں ابھی تو کہہ رہی تھیں آنٹی سے کہو میری مما سے بات کریں اور اب پیٹنے کا ارادہ ظاہر کررہی ہو..."

"وہ تو میں ویسے ہی کہہ رہی تھی۔"

"اچھا... مگر میں تو ویسے ہی نہیں کہہ رہا یہ دیکھو اسلام آباد سے تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟" اپنی شرٹ کی پاکٹ سے ایک چھوٹا سا خاکی لفافہ نکال کر اس نے زرتاشہ کے ہاتھ میں تھمادیا تھا۔

"کیا ہے یہ؟"

"خود ہی دیکھ لو..."

اب کے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اس نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی تو زرتاشہ نے خاکی لفافے کو اپنی ہتھیلی پر الٹ دیا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں جیسے چمک اٹھی تھیں۔

"واؤ... یہ تو بہت خوبصورت ہے۔"

نازک سے نگینوں والا بریسلٹ اسے بے طرح خوش کر گیا تھا۔

"ہاں... مگر تم سے زیادہ نہیں۔"

سعان کی آنکھوں میں اب بھی شوق کا اک جہان آباد تھا۔ زرتاشہ کا دل اس کی محبت سے مزید لبریز ہوگیا۔

"تھینک یو سو مچ سعان تم واقعی بہت اچھے ہو۔"

"چلو پھر پہنو میری شاباش۔"

"جی نہیں..." زرتاشہ کہتے ہی اٹھ کر فرار ہونے لگی تو سعان نے سرعت سے لپک کر اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔

عین اسی لمحے شانزل ہمدانی نے اس کے کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔

"شانزل... میں گھر آنا چاہتی ہوں۔"

پورے چودہ دن کے بعد اس نے خود فون کرکے اس سے کہا تھا۔ جواب میں وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے کب لینے آؤں؟"

"جب فارغ ہوجاؤ۔"

سامعہ نے کہا تھا محبت میں انا نہیں چلتی لہذا اس نے انا کو کچل دیا تھا۔

"ٹھیک ہے شام کو آفس سے واپسی پر آؤں گا تیار رہنا۔"

"او کے..." آہستہ سے کہنے کے ساتھ ہی اس نے بنا خدا حافظ کہے رابطہ منقطع کردیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی آنسو تھے۔ اپنی خودداری کا خون ہونے پر اس کی صرف آنکھیں ہی نہیں دل بھی رو رہا تھا۔

سامعہ نے کہا تھا کہ وہ افسانوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آئے۔ وہ حقیقت کی دنیا میں آگئی تھی۔ مگر اس کی سانس گھٹ رہی تھی۔

سامعہ چاہتی تھی کہ وہ اسے اپنی طرف مائل کرے۔ اسے یہ احساس دلائے کہ وہ اس کے لئے اہم ہے۔ تاہم اس سارے معاملے میں جو درد اسے اٹھانا پڑ رہا تھا اس درد کی شدت شاید اس تکلیف سے بھی بڑھ کر تھی جو اس نے سعان شاہ کو کھونے کے بعد اٹھائی تھی۔

شام کو شانزل اپنے وعدے کے عین مطابق

اسے لینے کیلئے آ گیا تھا۔

ساحر نے اس کی آؤ بھگت میں کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔ نفیسہ بیگم نے بھی اسے خصوصی پروٹوکول دیا تھا۔ سعان آفندی کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا اس لیے گھر نہ آ سکا تھا۔ زرتشہ شازل کے ہمراہ اپنے گھر واپس آئی تو ایک عجیب سی وحشت نے اس کا استقبال کیا تھا۔ گو گھر میں کہیں کسی کمی کی نہیں تھی مگر پھر بھی ایسا ہولناک سناٹا چھایا ہوا تھا کہ اس کا دل ہول کر رہ گیا۔

چوکیدار اور چپڑاسی کوئی بھی تو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ سست روی سے چلتی اپنے بیڈ روم میں آئی تو وہاں کا منظر ہی نرالا تھا۔ بیڈ پر کمبل بلا سمیٹے رکھا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر بکھری کتابوں کا حال بھی دیکھنے کے لائق تھا۔ وارڈ روب سے باہر لٹکتے کپڑے الگ اپنی بے بسی کا گلہ کر رہے تھے۔

وہ تھکی تھکی سی ایک نظر کمرے کے حال پر ڈالتی ہوئی بیڈ پر جا بیٹھی تھی۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟ چوکیدار خانساماں کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا۔"

شازل اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ قدرے بے ترتیب حلیے میں اداس اداس سی وہ کتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

"خانساماں کو بہت تیز بخار ہے اور چوکیدار کے بھتیجے کی شادی ہے وہ کل صبح ہی ایک ہفتے کی چھٹی لے کر گیا ہے۔" سرسری سی ایک نگاہ اس کے سادہ سراپے پر ڈالنے کے بعد وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"پھر تو آپ کو مجھے انفارم کرنا چاہیے تھا کھانے وغیرہ کا کتنا مسئلہ ہوا ہوگا۔"

"ہاں تھوڑا بہت مسئلہ تو ہوا تھا خود سے کچھ کرنا جو نہیں آتا۔"

وہ مجھے سے مسکرایا تھا۔ زرتشہ انگلیاں چٹخا کر رہ گئی۔

"میرا خیال ہے اب تمہیں تھوڑا آرام کرنا چاہیے مجھے ابھی ایک ضروری کام کے سلسلے میں کہیں جانا ہے واپسی تھوڑی لیٹ بھی ہو سکتی ہے میں باہر سے گیٹ لاک کر جاؤں گا۔"

آئینے کے سامنے اپنا حلیہ تھوڑا درست کرنے کے بعد اس نے زرتشہ کو اطلاع دی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

رات بہت دیر تک جاگ کر اس کا انتظار کرنے کے بعد بالآخر وہ نیند کی آغوش میں مدہوش ہو گئی تھی۔

اگلی صبح اس کی آنکھ خاصی لیٹ کھلی تھی۔ شازل اسے ڈسٹرب کیے بغیر آفس جا چکا تھا۔ جب اٹھ کر چلی اس نے گلاس ونڈو پر پڑے بھاری پردے سمیٹے تو ہلکی ہلکی چمکدار دھوپ کی بہت مدھم سی کرنیں کمرے میں پھیلیں تو وہاں زندگی کا احساس پیدا ہوا۔ تب وہ باتھ روم میں گئی اور فریش ہو کر سیدھی کچن میں چلی آئی۔ اپنے لیے ہلکا پھلکا ناشتہ بنا کر وہ گھر کی صفائی میں جت گئی۔ پہلی بار اسے گھر کا کام کرتے ہوئے اچھا لگا تھا ورنہ آج تک وہ ہمیشہ گھر کے ملازمین کی ہمدردی میں بھی چھوٹی جذباتی تقریریں ہی کیا کرتی تھی۔

کچن لاؤنج لان اور باتھ روم کی اچھی طرح صفائی کرنے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم کی طرف آ گئی اور سب سے پہلے وارڈ روب کو درست کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ شازل کے استعمال شدہ تمام کپڑے دھلنے

کرنے کے بعد صاف دھلے ہوئے کپڑوں کو پریس کر کے اس نے ہینگ کیا۔ اس کے موزے اور ٹائیاں بھی ڈھونڈ کر ایک سائیڈ پر رکھیں پھر بیڈ کی چادر اچھی طرح جھاڑ کر بچھائی۔ ڈائننگ ٹیبل پر بکھری اس کی کتابیں سمیٹ کر میز کے ایک کونے پر ہی رکھ دیں۔ اس کا ارادہ کارپٹ اٹھا کر اچھی طرح جھاڑنے کا بھی تھا مگر ہمت جواب دے گئی۔

تھکن سے سارا بدن چور چور ہو رہا تھا۔ بھوک بھی محسوس ہونے لگی تھی مگر کھانا بنانے کی ہمت نہ کر سکی۔ تھوڑا بہت سامان جو فریج میں رکھا تھا وہی کھا کر پیٹ بھر لیا۔ شام میں شازل آفس سے واپس آیا تو گھر میں رونما ہونے والی تبدیلی کو دیکھ کر چونک گیا۔

وہ واقعی بدل رہی تھی مگر..... اب اس کا اپنا دل بھی تو بدل گیا تھا۔ وہ کچن میں تھی شاید رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ خوشبو بتا رہی تھی کہ مینو میں خاص اس کی پسند کا خیال رکھا گیا ہے بھوک بھی لگ رہی تھی مگر پھر بھی تھوڑی دیر ریسٹ کے بعد وہ اس کے پاس کچن میں آتے ہوئے بولا تھا۔

"میرے لیے کھانا مت لگانا آج باہر ڈنر کرنے کا ارادہ ہے میرا۔"

"کس کے ساتھ.....؟" وہ پوچھنا نہیں چاہتی تھی مگر پوچھ بیٹھی تھی جواباً وہ خاصی توجہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"جس کے ساتھ بھی کروں تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔"

"کیوں فرق نہیں پڑنا چاہیے مجھے میں کیا انسان نہیں ہوں میرا کوئی تعلق نہیں ہے آپ سے یہاں میں مانتی ہوں کہ میں قصور وار ہوں مگر آپ بھی تو بے قصور نہیں ہیں پھر سزا صرف میرے حصے میں کیوں؟"

وہ ایک لمحے میں جذباتی ہوئی تھی۔ شازل قدرے حیرانی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"سوری....."

وہ جی بھر کر مسرور بھی نہ ہو پایا تھا کہ اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال کر پھر اپنی پرانی جون میں واپس آ گئی تب وہ کچھ سوچتے ہوئے سر جھٹک کر بولا۔

"کیا سزا دے رکھی ہے میں نے آپ کو اب تو سب کچھ ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا آپ چاہتی ہیں۔"

"کیا چاہتی ہوں میں؟" فوراً سر اٹھاتے ہوئے اس نے شازل سے پوچھا تھا جب وہ نگاہیں چراتے ہوئے بولا۔

"یہ سوال تو تمہیں خود سے کرنا چاہیے بہرحال میں جلدی واپس آنے کی کوشش کروں گا تم کھانا کھا لینا....."

کہنے کے ساتھ ہی وہ کچن سے باہر نکل گیا تو زرتشہ نے چولہا بند کر دیا۔ اس کی بھوک ایک دم سے ختم ہو گئی تھی۔ جانے یہ درد کا کیسا دریا تھا جو اسے ہر حال میں پار کرنا تھا مگر اسے اس کا دوسرا کنارہ سامنے تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں.....؟"

وہ سعان شاہ پر جھکی ہوئی تھی جب شازل کی آواز پر ایک دم سے ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی تھی۔ سعان نروس ہونے کے باوجود مسکرا رہا تھا۔

"کچھ نہیں میں ذرا اسے کہہ رہا تھا میری آنکھیں دبا دو مگر یہ مان نہیں رہی تھی۔" سعان کے جواب سے لگ رہا تھا جیسے وہ پہلے ہی اسے اپنے اور زرتشہ کے تعلق کے بارے میں بتا چکا ہے مگر پھر بھی اس سے مزید وہاں کھڑے رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ شازل

کی خشمگیں نگاہیں اسے اپنے وجود کو چیرتی ہوئی
محسوس ہو رہی تھیں۔

"تم اب بچے نہیں رہے ہو سمعان ایسی فضول
حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" اس نے سمعان کو
ڈانٹا تھا مگر انسلٹ زرنشاء کو محسوس ہوئی تھی۔ وہ
کمرے کی دہلیز پر کھڑی تھی تو وہ فوراً وہاں سے
کھسک جانا چاہتی تھی مگر اب پتھر کا بت بن کر وہیں کھڑے
رہنا اس کی مجبوری تھی۔

"اب تم بھی جاؤ سیدہ شریف لڑکیوں کو ہر وقت
دوسروں کے گھروں میں تانک جھانک زیب نہیں
دیتی۔"

کتنا رعب تھا اس کی آواز میں۔ زرنشاء کا چہرہ اپنی
اس دوہری توہین پر غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ اس
سے کہنا چاہتی تھی کیا آپ کو دوسروں کے ذاتی
معاملات میں دخل اندازی کرنا زیب دیتا ہے۔ مگر
جانے کیا سوچ کر چپ رہی تھی۔

اس روز گرین ہاؤس سے واپس آنے کے بعد وہ
اپنی انسلٹ اور سمعان کی توہین پر بہت دیر تک روتی
رہی تھی۔

اگلے پورے ایک ہفتے تک سمعان اس کی منتیں
کر کے تھک گیا تھا مگر نہ تو وہ گرین ہاؤس گئی تھی نہ
اس نے اس سے کلام کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ
بیمار پڑ گیا۔ مسز یاور اس کی ممی کے پاس روزانہ شام کو
ایک چکر ضرور لگاتی تھیں۔ ان دنوں عائشہ بھی ہوسٹل
سے آئی ہوئی تھی۔ وہ روزانہ ناشتے سے فارغ ہو کر
اس کا دماغ کھانے پہنچ جاتی تھی۔ سمعان کے حال
کی خبر بھی اسی کے توسط سے اس تک پہنچتی تھی۔

اس روز وہ زبردستی اسے بازو سے پکڑ کر اپنے
ساتھ گرین ہاؤس لے گئی تھی۔

"بے شرم لڑکی میرا بھائی تمہاری وجہ سے بستر پر
پڑا ہے۔ شاہ زل بھائی کے ساتھ بھی خوب جنگ ہوئی
ہے اس کی اور ایک تم ہو کہ اسے مزید تنگ کر رہی ہو۔ آ کر
حال تو دیکھو اس کا۔" تیز تیز چلنے کے ساتھ ہی وہ
بڑبڑا رہی تھی۔ اس لمحے زرنشاء آفندی کا اپنا دل اس
کے پہلو میں مچل رہا تھا۔ سمعان شاہ سے ملے اور
اسے دیکھے بغیر آٹھ دن جیسے اس نے جیتے تھے
صرف اسی کو پتہ تھا۔ راتوں کی نیند اڑ گئی تھی تو پیٹ کی
بھوک بھی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ پورے ایک ہفتے کے
بعد وہ سمعان شاہ کے سامنے آئی تو اسے دیکھ کر ٹھٹک
گئی۔ بکھری بکھری بڑھی ہوئی شیو، پیلا زرد چہرہ، بے ترتیب
بکھرے بال اور وجیہہ کمزور سراپے کے ساتھ
شدت سے خاموش وہ شخص اسے پہلی نظر میں پہچاننا ہی
مشکل ہو گیا تھا۔ اسے لاؤنج میں صوفے پر لیٹا دیکھ
کر وہ تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔

"سمعان......" وہ بھی اسے اپنے سامنے دیکھ کر
چونکا تھا مگر ناراضی کے اظہار کے طور پر دوسرے ہی
لمحے منہ پھیر لیا۔

"مر گیا سمعان...... اب کیا لینے آئی ہو یہاں؟"

"سمعان سوری......" اس کے دل پر اس کے
الفاظ تھوڑا لگا تھا۔ مگر سمعان شاہ نے پلٹ کر اس
کی جانب نہیں دیکھا۔

"تمہاری سوری سے میرا اور میری اذیت کم نہیں
ہو سکتی اگر تم مجھ سے دور رہ کر خوش رہ سکتی ہو تو میں بھی
تمہارے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں۔"

"سمعان! میں تمہارے بغیر خوش نہیں ہوں۔"
اس نے تڑپ کر فوراً وضاحت کر دی تھی مگر اس کے
باوجود وہ رخ پھیرے کھڑا رہا تھا۔ تب اس نے مدد
طلب نظروں سے عائشہ کی جانب دیکھا مگر وہ بھی
بے نیازی سے کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں
غائب ہو گئی تھی۔

"سمعان...... پلیز کروٹ بدلو تو سہی کیا میرا حال
تم سے بچھڑ کر بے حال نہیں ہوا؟" اس کا لہجہ بھیگا تھا
تب سمعان شاہ نے پلٹ کر بھرپور نگاہ اس کے اداس
سراپے پر ڈالی تھی۔

"تم بہت بری ہو زرین قسم سے بہت زیادہ بری
ہو تم۔" اسے بھی اس کے حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ
خود کہاں ناراض رہ سکتا تھا اس سے۔ زرنشاء کی روح
ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

"مجھے تمہارا تحفہ بہت اچھا لگا تھا......"

"کیوں......؟"

"اپنے پورٹریٹ کیلئے بہت خوبصورت تصویر
پینٹ کی ہے تم نے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی تھی دیکھ
کر۔"

"چلو یہ تو اچھی بات ہے اب ناراض تو نہیں ہو
ناں مجھ سے؟"

"نہیں......"

"اب تمہارا وہ خبیث بھائی دوبارہ تو نہیں آئے گا
ناں یہاں؟"

"نہیں ناں انہیں بڑی ماں نے ملک سے باہر بھیج دیا
ہے۔ ویسے تمہارے بھائی کے ساتھ بڑی گہری
فرینڈشپ ہے ان کی۔"

سمعان کے لہجے میں اب بھی اس کے لئے
احترام ہی تھا۔ زرنشاء چڑ سی گئی۔

"کوئی بات نہیں مجھے تو شکل سے ہی بدمعاش لگتا
ہے۔" وہ کچھ کر بولا تھا اس کے منہ پر زرنشاء ملے
منہ چڑا کر رہ گئی۔

"ایسی بات نہیں ہے تم پر لڑکیاں آگے پیچھے
پھرتی ہیں بھائی کے مگر وہ کسی کو لفٹ نہیں دیتے
شاید اسی لئے انہیں میرا تم سے کلوز ہونا برا لگا تھا......"

"تمہیں ان کا مجھے ڈانٹنا برا نہیں لگا؟"

"لگا تھا مگر غلطی تو میری ہی تھی پھر وہ بڑے ہیں
مجھ سے تمہارے سامنے ان سے بدتمیزی کرتا کیا
میں اچھا لگتا؟"

"مجھے نہیں پتہ لیکن دوبارہ ایسی کوئی بات ہوئی تو
میں زندگی بھر تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے نہ دیکھنا شکل۔ رب میں ایسی
نوبت آنے ہی نہیں دوں گا۔"

وہ ہنس کے بولا تھا جبکہ زرنشاء بھی دیر تک
اس سے خفگی کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی۔ اگلے بہت
سے دن انہوں نے پھر ایک دوسرے کے ساتھ ہنستے
کھیلتے 'روٹھتے مناتے' کی خوشی بسر کئے تھے۔

سردیاں رخصت ہو رہی تھیں اور گرمی اچھی خاصی
پڑنے لگی تھی۔ عائشہ یونیورسٹی کے پیپرز دے کر
بالکل فارغ بھی تھی۔ اب سمعان اور زرنشاء کے ساتھ
اس کا زیادہ وقت گرمیوں کی بھری دوپہر میں لوڈو کیرم
اور شطرنج کھیلتے ہوئے گزرتا۔ تینوں کھیل کے دوران
ایک دوسرے کی بے ایمانی پر بچوں کی طرح جھگڑا
کرتے تو مسز یاور انہیں پیار سے ہلکی سی ڈانٹ پلا کر
رہ جاتیں۔

سمعان اپنی جیت پر بھی انہیں سموسے کھلاتا۔ تو
کبھی برگر اور آئس کریم۔ اور وہ دونوں اس سے کچھ نہ
کچھ کھانے کیلئے جان بوجھ کر روز ہار جاتی تھیں۔

اس روز سمعان گھر پر اکیلا تھا۔ مسز یاور عائشہ
اپنے کسی رشتے دار کے گھر ملنے کی غرض سے گئی ہوئی
تھیں۔ زرنشاء دوپہر کا کھانا کھا کر نفیسہ بیگم کے
سونے کے بعد معمول کے عین مطابق اپنے سارے
کام سمیٹ کر گرین ہاؤس کی طرف چلی آئی تھی۔

سمعان لاؤنج میں صوفے پر لیٹا ٹی وی دیکھ رہا
تھا۔ گرمی کے باعث اس نے شرٹ اتار کر بنیان پر
ہی گزارہ کر رکھا تھا۔ وہ اسے لاؤنج میں دیکھ کر سیدھی

اس کے پاس چلی آئی تھی۔
"معیذ! آپ کیا ہوا ہے؟"
اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ سمعان صوفے پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"کچھ نہیں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ دیکھو کتنی جلدی سو گئی ہو۔"
"مجھے نہیں دیکھتی سوئی، بھی نماز بھی پڑھ لیا کرو۔"
"اچھا پڑھ لوں گا، تم بیٹھو تو سہی۔" سماب کے اس نے ہاتھ بڑھا کر زرشتا کو اپنے قریب ہی صوفے پر بٹھا دیا تھا۔ سنسان دوپہر اور بھرے گھر میں اکیلے پن نے اس کے خوابیدہ جذبات کو ایک دم سے ابھار دیا تھا۔ تاہم زرشتا کو اس کی یہ ادا پسند نہیں آئی تھی۔
"زری...... پتہ ہے رات میں نے خواب میں کیا دیکھا؟"
وہ اٹھ کر سامنے والے صوفے پر ٹک گئی تھی۔ جب اس نے پرشوق انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جواباً وہ رعب سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔
"نہیں پتہ تم یہ بتاؤ آنٹی اور عائشہ کہاں ہیں؟ مجھے ان سے کچھ کام تھا۔"
"وہ گھر پر نہیں ہیں صدیقی انکل کی طرف گئی ہیں ان کی عیادت کرنے۔"
اس کا موڈ ایک منٹ میں ہی بگڑ گیا تھا تاہم زرشتا مطلق پروا نہ کرتے ہوئے بولی تھی۔
"ٹھیک ہے پھر میں چلتی ہوں شام کو پھر آؤں گی۔"
"نہیں..... آج اگر تم میری اجازت کے بغیر یہاں سے چلی گئیں تو یاد رکھنا زری میں زندگی بھر تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔"
وہ صدمے میں آیا تھا، زرشتا اس کے بگڑے تیور دیکھ کر ابھی خاصی حیران رہ گئی تھی۔
"سمعان..... تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا.....؟"
"ابھی تک تو نہیں ہوا تمہارے جانے کے بعد ہو سکتا ہے خراب ہو جائے۔"
"تم کیا کہہ رہے ہو میری تو بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا۔"
"یہی تو مسئلہ ہے میڈم تم مجھے اور میری خواہشوں کو سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہو۔ کتنے ماہ ہو گئے ہماری فرینڈشپ کو تمہاری اجازت کے بغیر میں نے آج تک کبھی تمہارا ہاتھ بھی نہیں پکڑا۔ اس کے باوجود تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں۔ خود تو پتھر کی ہو مجھے بھی پتھر کا ہی سمجھ رکھا ہے تم نے۔ تمہیں کیا پتہ کتنی لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر مگر میں نے تمہارے سوا کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تم سے ملنے کے بعد سارے مشاغل ختم کر دیے۔ دن رات خواب اور حقیقت میں تم ہی تم ہر جگہ چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہو۔ سچ کہتا ہوں زری آج کل راتیں عذاب بن گئی ہیں میرے لیے......"
ہلکی سی سرد آہ بھر کر اس نے کہا تھا اور زرشتا جیسے اداسی کی کیفیت میں آ گئی تھی۔
"زری..... تم مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ میں تم سے ٹوٹ کر پیار کروں اتنا پیار کروں کہ تم میری ذات میں گم ہو کر مدہوش ہو جاؤ۔"
وہ شخص جو اپنے ظاہری حسن میں بے مثال تھا اب اس کے بے حد قریب آ کر جیسے لہجے میں اپنے جادوئی الفاظ کے ساتھ اس کی سادہ سی ذات کے گرد اپنا حصار مضبوط کر رہا تھا اور وہ کسی بے بس رعایا کی

مانند دماغ کی ہزار چنگاریوں کے باوجود دل کی ادھم مچاتی دھڑکنوں سے ہار مانتی جا رہی تھی۔
"زری..... تم میری ہو ناں.....؟"
"ہاں......"
اس کے سحر انگیز حصار میں حقیقتاً وہ اس کی مقناطیسی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے وہ خود اپنی ذات پر سے اپنا اختیار ہی کھو بیٹھی تھی۔ تبھی سمعان نے اپنے مضبوط گرم ہاتھ اس کے نازک کندھوں پر دھرے تھے جس کا پور پور وجود ان لمحوں میں جیسے برف ہو رہا تھا۔
"سر سے پاؤں تک تم پر صرف میرا اختیار ہے ناں.....؟"
اس کے ہاتھ پھسلے تھے۔ جبکہ زرشتا رکتی ہوئی سانسوں کے ساتھ جیسے اس کے سرگوشیانہ لہجے کی گرفت میں جکڑتی جا رہی تھی۔
"سمعان..... پلیز......"
"نہیں..... ابھی کچھ مت کہو پلیز......"
وہ اس سے زیادہ بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ تبھی اس کے گداز لبوں پر ہاتھ رکھا تھا تو زرشتا اپنی رہی سہی احتجاج کی کوشش بھی کھو بیٹھی۔
وہ اس کے وجود پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر انجام ہر خوف سے بے نیاز ہو کر اور زرشتا جیسے موم بن کر پگھلنے کو بے قرار ہو گئی تھی۔ تاہم اس سے پہلے کہ جذبات کا یہ طوفان ان دونوں کی زندگی میں ہی مسائل کا انبار لگا دیتا اچانک نفیسہ بیگم کسی بھی فرشتے کی مانند وہاں چلی آئی تھیں۔
نگاہ کے سامنے اس وقت جو منظر انہیں دیکھنے کو ملا تھا اس منظر نے محض چند لمحوں میں ان کی بصارتوں کو صرف پتھر ہی نہیں کیا تھا بلکہ وہ پاش پاش ہو کر بکھر گئی تھیں۔ وہ بیٹی جس کے کردار کی مضبوطی پر انہیں فخر ہی نہیں غرور بھی تھا۔ اس وقت اسی بیٹی کا وجود ایک قطعی غیر محرم شخص کے ہاتھوں میں کھلونا بنا تھا۔ دل و دماغ اچانک صدمے کی گرفت میں آ گئے تھے۔ انہیں یہ سوچ کر ہی ہول پڑ رہے تھے کہ اگر آج وہ اچانک اسے گھر میں موجود نہ دیکھ کر ڈھونڈتی نہ آتیں تو کیا ہوتا؟ اگر وہ چند منٹ لیٹ ہو جاتیں تو......؟"
اس روز زرشتا کو بازو سے پکڑ کر گھر لانے کے بعد انہوں نے اتنا پیٹا تھا کہ خود ان کے ہاتھ جواب دے گئے تھے۔ انہیں اپنی بے خبری اور اپنی بیٹی کے فریب کا سوچ کر ہی وحشت ہو رہی تھی ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اس روز وہ اپنی بیٹی کو خود اپنے ہاتھوں سے مار کر بنا کسی کو بتائے دفن کر دیتیں۔
گھر میں سب سے چھپانے کی کوشش کے باوجود وہ کسی سے کچھ بھی چھپانے میں ناکام رہی تھیں۔ اگلے ہی روز مسز یاور سمعان کا پرپوزل لے کر آ گئیں تو انہوں نے فوراً ان کا پرپوزل ریجیکٹ کر کے انہیں واپس لوٹا دیا۔ ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ سمعان کے ساتھ ساتھ انہیں اور ان کے شوہر کو بھی اٹھا کر گرین ہاؤس سے کہیں دور پھینک دیتیں۔ انہیں خود پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے سمعان کو گھر میں گھسنے ہی کیوں دیا؟ کیوں اپنی بیٹی پر اندھا اعتبار کر کے اس کی حرکتوں سے بے خبر رہیں جبکہ وہ جانتی تھیں کہ خدا کی بارگاہ میں اولاد کی صالح تربیت کے ساتھ ساتھ اولاد کے اچھے اور برے اعمال کا حساب کتاب بھی ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ اپنے معبود حقیقی کو کیا جواب دیں گی؟ سمعان کا حال ان دنوں دیکھنے کے لائق تھا۔
بھری گرمیوں کی چلچلاتی دوپہر میں روزانہ اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر وہ سڑک کے اس پار زرشتا کے کمرے کے سامنے اس کی صرف ایک جھلک

دیکھنے کیلئے بے قرار کھڑا رہتا تھا مگر نفیسہ بیگم اسے اپنے قریب سے بھٹکنے بھی نہیں دیتی تھیں۔ اب رات میں وہ اس کا بستر بھی اپنے بستر کے ساتھ ہی لگاتی تھیں جبکہ آفندی صاحب عدنان کے کمرے میں شفٹ ہوگئے تھے۔

شانزل یزدانی دوبارہ پاکستان واپس آگیا تھا۔ عدنان نے اس سے زرنشاء کی جلد شادی کا تذکرہ کیا تو اس نے بڑے جلنے کے ساتھ اسے جتا دیا کہ اس کی اماں زرنشاء کو اپنی بہو بنانے کی خواہش رکھتی ہیں۔ گو یہ بات جھوٹ تھی مگر اپنی انا کی تسکین اور دل کے آباد کرنے کیلئے اس نے یہ موقع ہاتھ سے گنوانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ عدنان آفندی کی خوشی اس لمحے دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

نفیسہ بیگم اور آفندی صاحب کو راضی بھی اسی نے کیا تھا۔ عام حالات میں شاید اس رشتے پر کچھ سوچ و بچار کی جاتی مگر ان دنوں تو نفیسہ بیگم ایک دن بھی زرنی کو اپنے گھر میں رکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ لہٰذا تھوڑی ہی سوچ و بچار کے بعد انہوں نے نہ صرف زرنشاء کی نسبت شانزل سے طے کردی بلکہ شادی کی ڈیٹ بھی ساتھ ہی فکس کردی۔ زرنشاء آفندی نے نہ صرف اپنا اعتبار کھویا تھا بلکہ اپنے محبوب سے وفا کی چوڑی کی صلیب پر بھی چڑھ رہی تھی۔ سمعان کا حال دیکھ کر اس کے اندر بغاوت نے جنم لیا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سوچ سر ابھار رہی تھی کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں لڑکے لڑکی کا محبت میں مبتلا ہوجانا اتنی معیوب بات نہیں کہ اس پر یوں حشر اٹھا دیا جائے نہ ہی اسے اس معاملے میں سمعان کا کوئی قصور دکھائی دے رہا تھا لہٰذا اسے دو پہر سرسری سا دیکھنے کے بعد اس نے نہ صرف شانزل سے شادی کرنے سے انکار کردیا بلکہ یہ دھمکی بھی دے دی کہ اگر سمعان کے ساتھ اس کا نکاح نہ کیا گیا تو وہ ان سب کے منہ پر کالک مل کر اس کے ساتھ رات میں گھر سے بھاگ جائے گی۔

نفیسہ بیگم کو اس کی جرأت و بے حیائی نے حق چراغ پا کیا تھا۔

سمعان کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ مسز یاور اور حیات صاحب ایک طرف ہوسپٹل میں اپنے لاڈلے بیٹے کی زندگی بچانے کیلئے بھاگ دوڑ کررہے تھے تو دوسری طرف نفیسہ بیگم اور آفندی صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ کر منت کررہے تھے کہ وہ زرنشاء کا رشتہ سمعان سے طے کرکے اس کی زندگی بچالیں۔ مگر نفیسہ بیگم کسی طور پر مائل دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

عائشہ کے فائنل ایئر کے امتحان سر پر تھے مگر اس کے باوجود وہ پڑھائی کو پس پشت ڈالے زرنشاء سے رابطے کی کوششوں میں ہلکان ہورہی تھی۔ اپنے لاڈلے بھائی کی خوشی اور زندگی کے لئے وہ رو رو کر اس سے دوستی کی بات کرنے کے لئے گھنٹوں نفیسہ بیگم کی منت کرتی رہتی تھی۔

سمعان کی طبیعت بگڑی تو پھر بگڑتی ہی چلی گئی۔ زرنشاء کا اپنا حال دیکھنے کے لائق ہوگیا تھا۔ ہفتوں منہ دھوتی نہ کپڑے بدلتی تھی۔ شانزل سمعان کی مکمل دیکھ بھال کررہا تھا مگر پھر بھی وہ سنبھل نہیں پارہا تھا۔ شادی کے دن سر پر آگئے تھے۔ جب اس نے سمعان کی حالت کے پیش نظر ڈیٹ آگے بڑھانے کی ریکوئسٹ کردی مگر نفیسہ بیگم چونکہ عدنان کے لئے ساتھیہ کا ہاتھ مانگ چکی تھیں اور یوں ان کے گھروں میں تیاریاں اپنے عروج پر تھیں لہٰذا انہوں نے شانزل سے صاف کہہ دیا کہ وہ ایک دن بھی آگے پیچھے نہیں کرسکتیں اگر وہ مقررہ ڈیٹ پر شادی نہیں کرسکتا تو صاف انکار کردے وہ کوئی اور

ڈھونڈلیں گے۔ تبھی اسے ان کی ضد کے سامنے سر جھکانا پڑا تھا کیونکہ زرنشاء کو کھونا اس کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔

زرنشاء اس تمام پریڈ کے دوران ایک زندہ لاش بنی بس رو رو کر خدا سے سمعان کی زندگی کے لئے دعا مانگتی رہتی تھی۔ نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی مقررہ اوقات میں ادائیگی کے ساتھ ساتھ اب وہ تہجد، اشراق اور چاشت کی ادائیگی بھی پابندی کے ساتھ کرنے لگی تھی۔ ہر نماز کے بعد دعا میں اس کا تقاضہ صرف ایک ہی تقاضا ہوتا تھا۔

"یا اللہ! میرے سمعان کو صحت و تندرستی عطا فرما، اس کی زندگی کی حفاظت فرما۔"

مگر..... اس کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوسکی تھیں۔

جس روز اس کی مہندی تھی اس روز عائشہ کو اس کے پاس آنے کی اجازت ملی تھی۔ اسی روز عائشہ نے اس سے رو رو کر کہا تھا۔

"صرف ایک بار سمعان سے مل آؤ زرین اس کی طبیعت بہت خراب ہے میرا بھائی مر جائے گا۔ اسے اس کے بچھڑنے سے کم از کم اتنی بڑی سزا مت دو۔"

مگر وہ اس کے لیے رونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں کرسکی تھی اور پھر اگلے روز اس کے نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ہی اس شخص نے اپنی سانسیں ہاردی تھیں کہ جس کی محبت لب عشق کا روپ دھار کر اس کے روم روم میں بس گئی تھی۔

سمعان شاہ کی موت کی خبر نے اس کے گھر میں سناٹا بکھیر دیا تھا۔

بھری دوپہر میں اس کی صرف جھلک دیکھنے کیلئے گھنٹوں اس کے گھر کے سامنے بے قرار کھڑا رہنے والا وہ شخص اس کے کسی اور سے منسوب ہوتے ہی زندگی سے روٹھ کر ایمبولینس میں ٹھیک اسی جگہ کھڑا ہوا تھا کہ جس جگہ وہ کبھی زندہ ہوتے ہوئے آ کر کھڑا ہوتا تھا۔

گرین ہاؤس میں کہرام مچ گیا تھا۔ مسز یاور پچھاڑیں کھارہی تھیں۔ بے جان پڑے سمعان شاہ کی پیشانی اور ہاتھ چومتے ہوئے بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ عائشہ پر بار بار بے ہوشی کے دورے پڑرہے تھے جبکہ یاور حیات صاحب اپنے جوان بیٹے کی میت کے پاس نم آنکھیں لیے یوں کھڑے تھے گویا ان کی عمر بھر کی کمائی ہی لٹ گئی ہو۔

زرنشاء کا دل اس روز بہت گھبرا رہا تھا۔

گھر میں گھرنے والے سناٹے اور سامنے والی کوٹھی ایمبولینس کی مخصوص ٹون نے اس کے اندر عجیب وحشت کو دم کردیا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر تازہ مہندی لگی تھی جبکہ اعصاب مسلسل نیند کی گولیاں نگل نگل کر اس قدر شل ہورہے تھے کہ اسے نکاح نامے پر اپنے دستخط کرنے کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ عدنان آفندی نے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر جہاں جہاں ضروری تھا وہاں وہاں اس کے سائن کی جگہ انگوٹھا لگوادیا تھا۔

عزت و دولت کی ناک کے خوف میں مبتلا ان لوگوں نے پھر ایک اور محبت کا قتل کردیا تھا۔

وہ خوف زدہ ہرنی کی مانند اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگتے ہوئے کھڑکی میں آئی تو سامنے سڑک کے اس پار شانزل یزدانی کو سمعان شاہ کی لاش نکالتے دیکھ کر ایک لمحے میں برف کی ہوگئی۔ وہ شخص جو اپنی وجاہت اور سادگی میں کوئی مثال نہیں رکھتا تھا وہی شخص اس جیسی ایک عام سی لڑکی کی محبت میں زندگی سے ہاتھ چھڑا کر موت کی تاریک وادیوں میں گم ہوگیا تھا۔

اس لمحے زرنشاء آفندی کو اپنی بصارتوں پر یقین نہیں آرہا تھا نہ سماعتوں پر وہ چلائی تھی۔ جانے کیسے حلق

سے آواز نکال کر اس نے سعدان شاہ کو پکارا تھا مگر..... اب وہ اس کی صدا سے دور جا چکا تھا۔

"نہیں...... سعدان تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

بلک کر چلاتے ہوئے اس نے اپنے چوڑیوں بھرے ہاتھ دیوار پر دے مارے تھے۔ خوبصورت کلائیاں دیکھتے ہی دیکھتے خون سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اپنی بے بس محبت کا بین کرتے ہوئے اس نے خود اپنا ہی چہرہ نوچ لیا تھا۔ مگر وہاں اس کے درد کو سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ ساری پابندیاں ختم ہو گئی تھیں۔ صرف ایک شخص کے آنکھیں موند لینے سے ضد و انا کے سارے طوفان تھم گئے تھے۔

اپنی شوخ باتوں اور چنچل حرکتوں کے ساتھ بار بار اس کے تصور میں آتا وہ اس کے اندر تک ویرانی ہی ویرانی بکھیر گیا تھا۔ اس روز اس نے پہلی بار کسی مسلمان عورت کو سج سنور کر اپنے محبوب کے "ستی" ہوتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

پر چم یادوں کی تشنوں کے گوہر چمک دیے
ہم سے یکجا اور ہنر ہو نہ سکا تیرے بعد
کوئی لوٹ آئے دعاؤں سے یہ ممکن ہی نہیں
بے اثر جیسے ہوا حرف دعا تیرے بعد

سعدان شاہ اس کی دنیا سے کیا گیا وہ جیسے جینا ہی بھول گئی

رنگوں اور خوشبوؤں کے ساتھ جو اس کا گہرا تعلق تھا وہ بھی ٹوٹ گیا سعدان شاہ کے کتنے ہی پورٹریٹ ادھورے رہ گئے۔ مسلسل وہ روز تک بے ہوش رہنے کے بعد وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تو اس کی محبت کی اجڑی نگری کا قافلہ گزر چکا تھا اور اب اس قافلے سے اٹھتی ہوئی دھول اس کی سانسیں الجھا رہی تھی۔ وہ شخص جس نے پہلی مرتبہ اس کے دل کے دروازے پر دستک دی تھی اس کے ہوش میں آنے تک منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔ اس وقت زرنشاہ آفندی کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

کہتے ہیں کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا مگر کہنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ جس ہستی کے دم سے آپ کی زندگی کا دیا روشن ہوا اگر وہی ہستی نہ رہے تو پھر جینے والوں کی طرح جیا بھی نہیں جاتا۔ اسے بھی اب یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔

سعدان آفندی کا رشتہ جہاں پہلے طے کیا ہوا تھا وہاں سے جواب آ گیا تھا۔ ابھی نفیسہ بیگم نے سامنے کا ہاتھ مانگ لیا تھا اور اب وہ اس کی بھابھی بن کر ہمیشہ کے لئے اس گھر میں آ گئی تھی جہاں زرنشاہ آفندی کے لئے اب زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی تھی۔

سعدان شاہ کے سوئم کے بعد جاتے ہوئے اپنے ٹوٹے بکھرے وجود کو سنبھالے وہ گرین ہاؤس آئی تھی۔ امارہ، سرزیاور اور عائشہ سے مل کر رونا چاہتی تھی مگر سرزیاور نے اسے دیکھتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔ وہ آگے بڑھی تو انہوں نے نفرت آمیز لہجے میں عائشہ سے کہا۔

"اسے کہو یہاں سے دفع ہو جائے عائشہ۔ اب یہاں اس کی منحوس صورت سے پیار کرنے والا کوئی نہیں رہا۔"

وہ ٹھٹک گئی تھی۔ سرزیاور کے الفاظ نے اس کا دل چھلنی کر دیا تھا مگر انہیں حق پر سمجھتے ہوئے وہ واپس نہیں پلٹی۔ تبھی عائشہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی رو رو کر خوب سرخ ہو رہی تھیں۔

"اب کیا لینے آئی ہو یہاں؟ جاؤ جا کر اپنی شادی کی خوشیاں مناؤ میرا بھائی تو ترستا چلا گیا۔ اب ہمارے درد کا تماشہ دیکھنے آئی ہو جاؤ زرنشاہ آفندی

اب یہاں تمہیں چاہنے والا کوئی نہیں رہا۔"

حقارت سے بولا اس کا لہجہ سرزیاور سے کسی طور کم نہیں تھا۔ موت کی تکلیف بھلا اس لمحے کی اذیت سے کم کیا ہوتی ہوگی۔ وہ لوگ شاید وہاں سے کوچ کر رہے تھے۔ ابھی پیکنگ کی جا رہی تھی۔ زرنشاہ کے لئے مزید وہاں کھڑے رہنا ممکن نہیں رہا تھا سو اپنے بے جان وجود کو گھسیٹتی چپ چاپ واپس چلی آئی۔

اپنے کمرے میں مسلسل خواب آور گولیوں کے زیر اثر سو سو کر دن رات پورے کرنے سے وہ تنگ آ گئی تھی۔ کتنی ہی راتیں اس نے صبح فجر تک کھڑکی میں کھڑے ہو کر گرین ہاؤس کے ویران پڑے در و بام کو تکتے ہوئے گزار دی تھیں۔ محبت کے انمول انجام نے اس ہنستی کھیلتی زندہ دل لڑکی کو بے موت مار ڈالا تھا۔ تین تین دن وہ بنا کچھ بھی کھائے پیئے بے ہوش پڑی رہتی تھی۔ کپڑے وہ اس وقت تک تبدیل نہ کرتی تھی کہ جب تک اسے خود اپنے وجود سے گھن نہ آنے لگتی۔ فقط چند دنوں میں وہ اتنی بدل گئی تھی کہ خود اس کے گھر والوں کے لئے بھی اسے پہچاننا ممکن نہیں رہا تھا۔

سعدان شاہ کی موت کے ٹھیک ڈھائی ماہ بعد شاہ زل یزدانی اس کی رخصتی کروا کر اپنے آبائی گاؤں لے آیا تھا جیسے لوگ کسی کی میت کو سجا سنوار کر لاتے ہیں۔ اس کی زندگی کا حصہ بننے والی وہ لڑکی اس لڑکی سے قطعی مختلف تھی جسے پہلی نظر میں ہی اس کے دل کو چھونے کا اعزاز حاصل ہو گیا تھا۔

اپنی شادی کی پہلی رات میں اس نے زرنشاہ آفندی کو سفید لباس میں ملبوس تمام رات جائے نماز پر بیٹھ کر خدا کی عبادت کرتے اور اس کے حضور گڑگڑا کر جانے کون کون سی دعائیں مانگتے دیکھا تھا۔ وہ اس کے جذبات سمجھتا تھا اسے اس کے درد کا بھی بھرپور احساس تھا۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں اس پر ترس کھاتے ہوئے اس نے اپنے احساسات و جذبات کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ نفیسہ بیگم خود نہ کہتیں تو شاید وہ اب بھی اس کی رخصتی کے لئے عجلت نہ کرتا۔ اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے گا مگر زرنشاہ آفندی نے اسے اس کے اس عہد کی پاسداری کرنے میں بھی ناکام ٹھہرا دیا تھا۔

اس کی شادی کا وہ دوسرا دن تھا جب جانے دل میں کون کون سی خواہشیں لئے وہ اپنے بیڈروم میں داخل ہوا تھا۔ ارادہ زرنشاہ آفندی سے سعدان شاہ کے متعلق تفصیلی گفتگو کر کے اسے اپنی بے لوث محبت اور تعاون کا یقین دلانا تھا مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے جھٹکا لگا تھا۔

مکمل سیاہ لباس میں ملبوس کمرے کے عین وسط میں بیٹھی وہ کینڈل روشن کئے اس پر اپنی ہتھیلی کو جلا رہی تھی۔

تمہارا گورا خوبصورت ہاتھوں سے جیسے لہو لپک رہا تھا۔ وہ لپک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے؟ ایسے فضول ڈرامے کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

عادت کے عین مطابق وہ پل میں گرم لوہے کی مانند تپ گیا تھا۔ جواباً وہ بھی خاموش نہیں رہی تھی۔ نفرت سے کوری کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"جس ہاتھ کی لکیروں میں سعدان شاہ کا نام نہیں، اس ہاتھ کا جل جانا ہی بہتر ہے۔"

"شٹ اپ، تم بھول رہی ہو کہ اب تمہارا نام میرے نام سے منسوب ہے اور میں تمہیں ہرگز ایسی کوئی بھی حماقت کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں

گا۔

"ہاں..... تم کیا سمجھتے ہو نکاح کے دو بول پڑھوا کر تم نے میری ذات کو فتح کر لیا۔ بھول ہے تمہاری میرے جسم اور روح پر صرف اس شخص کو اختیار حاصل تھا جس کی جان مجھے قسم دینے والی عورت نے چھین لی ہے۔ مگر..... اس کے بعد بھی یہ اختیار میں کسی کو چھیننے نہیں دوں گی۔"

اس لمحے اس کی آنکھوں میں شازل کے لئے اس درجہ نفرت و حقارت تھی کہ وہ حیرت سے گنگ اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

وہ اس وقت جنونی ہو رہی تھی۔ شازل پر وائی قطعی شاکڈ انداز میں اس کی دیوانگی کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

یہ جو رفاقتوں کی خواہشوں میں دل منتظر ہے پڑا ہوا

اسے کیا خبر کہ جدائیوں کے عذاب کتنے شدید ہیں

اس روز اگر ماں جی درمیان میں نہ آتیں تو شاید وہ زرنشا آفریدی کو جان سے مار دیتا۔ سبحان پاشا سے وجود کی حامل اس لڑکی نے کتنی بے دردی سے اس کے احساسات کو پامال کیا تھا۔ کس درجہ توہین کی تھی اس کی محبت کی۔ وہ اگر اسے یہ پیغام نہ بھی دیتا تب بھی نفیسہ بیگم کسی طور اس کی شادی سبحان شاہ کے ساتھ کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ اس معاملے میں وہ قطعی بے قصور تھا۔

زرنشا آفریدی کو ماں جی اپنے کمرے میں لے گئی تھیں جبکہ وہ اب شدید غم و غصہ کے ساتھ اپنے سیل پر کسی کا نمبر پریس کر رہا تھا۔

"ہاں کن..... یار ابھی مجھے فوراً مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔"

وہ راستہ جو چند ماہ قبل وہ خود ترک کر چکا تھا۔ اس رات زرنشا آفریدی نے اسے پھر اسی راستے پر واپس دھکیل دیا تھا۔

ایک ہی کمرے میں رہ کر اپنے جذبات کا گلا گھونٹ دینا اس کے لئے ممکن نہیں تھا لہٰذا اب زیادہ تر وہ گھر سے باہر رہنے پر مجبور ہونے لگا تھا۔ زرنشا کے ظلم و ستم نے اس کی مردانہ انا کو بڑی بے دردی کے ساتھ مجروح کیا تھا۔ لہٰذا اس نے بھی قسم کھا لی تھی کہ اب جب تک وہ خود اس کی قربت کے لئے پیش قدمی کر کے اس کی منت نہیں کرے گی تب تک وہ اس کے وجود کو نظر انداز کرتا رہے گا۔ خواہ اس ضد کے دوران ساری عمر کیوں نہ تنہا بیت جائے۔

فیصلہ مشکل اور تکلیف دہ تھا۔ مگر اپنی انا کا پرچم بلند رکھنے کے لیے اسے خود کو مضبوط رکھنا تھا۔ اس کے برعکس زرنشا آفریدی بہت پرسکون تھی۔ اس کا معمول یہاں آ کر بھی نہیں بدلا تھا۔

صبح نماز فجر کے وقت بیدار ہو کر نماز پڑھتی پھر قرآن پاک کی تلاوت کرتی تب تک حویلی کی پرانی ملازمہ رحیمہ بی بی آ کر اس کا کمرہ صاف کر دیتی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا ناشتہ بھی وہی کمرے میں لے آتی تھی۔ زرنشا ناشتے میں دو چار نوالے لے کر چند گھونٹ چائے کے پیتی پھر کوئی نہ کوئی ناول لے کر بیٹھ جاتی۔ شازل پر وائی کے ذریعے ہونے والے کتابوں کے اس ذخیرے نے اسے سبحان شاہ کی بچھڑنے والی یادوں سے باہر نکلنے میں بڑا کردار ادا کیا تھا۔

فرضی کرداروں میں الجھ کر کچھ گھنٹوں کے لئے ہی سہی مگر وہ زندہ کرداروں کی المناک موت کا کرب بھول جاتی تھی۔ البتہ رات میں جب وہ سونے کیلئے بستر پر لیٹتی تو وہ ہنستا مسکراتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا۔

ان کے میکے سے کئی بار نفیسہ بیگم آفندی صاحب، ساجدہ اور سعدیہ باجی اس سے ملنے کیلئے آئے تھے مگر اس پاتیں وہ دیکھتے ہی عجیب سی وحشت سوار ہو جاتی تھی۔

نظران پر پڑتے ہی وہ خود کو اپنے کمرے میں مقید کر کے دروازہ لاک کر لیتی کبھی پاس پڑی چیزیں اٹھا اٹھا کر ان پر پھینکنا شروع کر دیتی۔ اپنے بستر کی چادر نوچ کر پھاڑ دیتی اس پر بھی بس نہ چلتا تو خود اپنا ہی چہرہ نوچ کر رونا شروع کر دیتی۔ سمعان کا بھولے سے بھی کوئی ذکر کر دیتا تو اسے خود پر کنٹرول نہیں رہتا تھا۔ کتنی ہی بار اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے وہ سب کے سامنے شانزل سے مار کھا چکی تھی مگر اس پر اس مار کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

آہستہ آہستہ سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

اب اس کے میکے سے کوئی اس سے ملنے کے لئے نہیں آتا تھا۔ ماں جی کا سلوک اس کے ساتھ بہت مشفقانہ تھا آہستہ آہستہ وہ ان سے مانوس ہو گئی تھی۔

اکثر وہ شانزل کو اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر جھڑک دیا کرتی تھیں۔ یہ ان کی محبت اور اپنائیت ہی تھی کہ جس کی وجہ سے تمام دن کمرے میں قید ہو کر اذیت اٹھانے کی بجائے اس نے کمرے سے باہر نکل کر ان کے پاس بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔ ماں جی اسے اپنی، شانزل اور گاؤں کی زندگی کے بہت سے واقعات سناتیں جسے وہ بے دلی سے سنتی رہتی۔

یاور حیات صاحب ماں جی کو طلاق دینے کے باوجود اکثر و بیشتر حویلی کا چکر لگاتے رہتے تھے۔ اس روز زرنشاہ نے پہلی بار انہیں حویلی کے آنگن میں شانزل کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا، تبھی وہ ٹھٹک کر ان کی طرف آ گئی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کچھ تھے پہلا لقمہ توڑ کر گم سے ہو گئے۔

"کیسی ہو بیٹی؟" اس کے قریب آتے ہی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ ان کے کندھے سے لگ کر رو پڑی۔

"انکل سمعان......" بمشکل ہی سہی مگر اس نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اب اس کی دنیا میں نہیں رہا ہے۔ یاور صاحب کی نگاہیں خود اس کے آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

"اسے جہاں جانا تھا چلا گیا بیٹی اب اس کیلئے اپنا آپ ہلکان کرنے سے کیا حاصل......؟"

"انکل مجھے معاف کر دیں میں نے اسے آپ سے اور آنٹی سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیا"۔ اسے پرواہ نہیں رہی تھی کہ پاس اس کا شوہر بھی بیٹھا تھا۔ وہ رو رہی تھی اور یاور صاحب اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے اسے چپ کروانے کی اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔

"صبر کرو بیٹی کوئی کسی کی جان نہیں لیتا سب تقدیر کے کھیل ہیں"۔ وہ اب بھی اسے تسلی دے رہے تھے۔ زرنشاہ کیلئے اس لمحے خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنا سر ان کے کندھے سے اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آنٹی اور عائشہ کیسی ہیں......؟"

"عائشہ ٹھیک ہے بس ہنسنا مسکرانا بھول گئی ہے تمہاری آنٹی کی طبیعت البتہ ٹھیک نہیں بی پی مسلسل شوٹ رہنے لگا ہے شوگر کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا ہے نہ کسی سے بات کرتی ہیں نہ ملتی ہیں بس سمعان کی تصویریں دیکھ دیکھ کر روتی رہتی ہیں"۔ اسے بتاتے ہوئے وہ واپس چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔ زرنشاہ کا دل اس وقت سینے کے اندر دھاڑیں مار مار کر رو رہا

تھا۔

اگلے کئی دنوں تک پھر اس کی طبیعت خراب رہی تھی۔

شانزل اب اسے طول دیکھ کر چڑنے لگا تھا۔ اپنے بھائی کی موت کا دکھ اسے بھی تھا۔ وہ بھی رویا تھا اس کی دائمی جدائی پر مگر زرنشاہ کا اتنا لمبا سوگ اب اسے کوفت میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ سمعان شاہ کیلئے اس کی آنکھوں میں آنسو ایک عجیب سی رقابت کی آگ جلانے لگے تھے۔

وہ جب بھی اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کرتا وہ کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ وہ کمرے میں داخل ہوتا تو فوراً کمرے سے نکل جاتی۔ ماں جی کے پاس آ کر بیٹھتا تو وہاں سے کھسک جاتی۔ گاؤں والے اب ان دونوں کے متعلق بہت عجیب عجیب سی باتیں کرنے لگے تھے تبھی وہ سخت ہوا تھا۔ دل اور دل کی خواہشوں کو ایک طرف رکھ کر اس نے اسے واپس زندگی کی طرف لانے کیلئے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا شروع کر دیا تھا جو وہ اپنے ذاتی ملازمین کے ساتھ کیا کرتا تھا۔

ابتداء میں زرنشاہ نے اس کی کسی حرکت کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ تاہم رفتہ رفتہ جب وہ اس کی عادتوں اور مشاغل سے باخبر ہوئی تو اسے اس سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کا مشغلہ ہی نہیں، حرکتیں بھی وحشیانہ ہوا کرتی تھیں۔ ان دنوں ماں جی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ خود کو پھر سے کمرے میں محصور کر لینے کی وجہ سے وہ ان کی تیمارداری نہ کر سکی۔ جبکہ ماں جی اپنی نفاست پسندی کے باعث ملازمین کے ہاتھ کا پکا کبھی کھانا پینا پسند نہیں کرتی تھیں تبھی بے حد کمزور ہو گئی تھیں۔

شانزل ایک ہفتے کے بعد گھر واپس آیا تو رشیداں کی معرفت ماں جی کی طبیعت کے متعلق جان کر مضطرب ہوا تھا۔ اچھے خاصے بخار کی لپیٹ میں ہونے کے باوجود وہ اس کیلئے خود کھانا بنانے لگی تھیں کیونکہ ان کی طرح ان کا بیٹا بھی ملازمین کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتا تھا۔

اندر اپنے کمرے میں زرنشاہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ تبھی وہ غصے سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا تھا جو اب زرنشاہ کے استعمال میں تھا۔

"اٹھو تمہیں یہاں مہارانی بنا کر بٹھانے کیلئے نہیں لایا میں"۔ قطعی مشتعل انداز میں اپنے بیڈ روم میں آ کر سختی سے اس کا بازو دبوچتے ہوئے وہ بولا تو زرنشاہ قدرے حیرانی سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ آج سے پہلے اس نے اسے یوں چھونے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"بہت آرام کر لیا تم نے بہت سوگ منا لیا اپنی ناکام محبت کا۔ اب اور نہیں میری برداشت کی حد ختم ہو چکی ہے اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ ایک مشرقی بیوی کے حقوق کیا ہوتے ہیں"۔ وہ سختی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہ جیسے انگارے چبا رہا تھا زرنشاہ خوف کے مارے اس کی طرف دیکھ بھی نہیں پائی تھی۔

"ابھی دودھ گرم کرو اور ماں جی کے کمرے میں لے کر آؤ ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ تم میری کیا لگتی ہو......"

نوابوں کی طرح کڑک لہجے میں اسے حکم دے کر وہ خود ماں جی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ زرنشاہ اس کے بے وجہ غصے پر حیران ہوتی کچن میں چلی آئی۔ اگلے دس منٹ میں وہ دودھ گرم کر کے ماں جی کے کمرے کی طرف آئی تو ان کا حال دیکھ کر اپنی غفلت پر بے حد پچھتاوا ہوا۔

شانزل ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھا کمبل درست کر رہا تھا۔

"میں Medicine لے کر آتا ہوں تب تک تم یہیں بیٹھ کر ماں جی کا سر دباؤ۔" اسے دودھ کے ساتھ کمرے میں آتا دیکھ کر وہ رعب سے بولا تھا۔ زرنشاء اس سے ایک لفظ نہیں بول سکی تھی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو جھجکتے ہوئے وہ ماں جی کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ ان کا سر دبانے لگی۔

"زری بیٹا...... ایک بات کہوں مانو گی؟"

"جی ماں جی......" وہ ابھی تک ان سے فری نہیں ہو پائی تھی۔ مانوس ہونے کے باوجود عجیب سی جھجک درمیان میں حائل تھی۔

"دیکھو بیٹا تم عورت ہو کمزور اور بے بس مخلوق۔ میں جانتی ہوں تیرا غم بڑا ہے مگر ہمارے معاشرے میں عورت کے دکھ پر حشر کوئی نہیں اٹھاتا۔ اسے اپنی قسمت کے لکھے پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے ورنہ اس معاشرے کے لوگ اس کی ذات کو پاؤں تلے روند کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ قدرتی طور پر ہی عورت کسی نہ کسی مرد کے سہارے کی محتاج رہتی ہے۔ مرد کا کیا ہے وہ اکیلا بھی رہ سکتا ہے پر عورت اکیلی نہیں رہ سکتی۔ میں شانزل کو جانتی ہوں وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ تم اسے قریب سے جانو گی تو تم بھی اس کی قدر کرو گی یہ مت سمجھنا کہ میں اس کی ماں ہوں تو اس کی حمایت کر رہی ہوں۔ مجھے پتہ ہے اس میں بہت سی برائیاں بھی ہیں لیکن تم اگر اس سے پیار کرو گی تو وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ ضدی سے ضدی مرد کو عورت اپنے پیار سے موم کر سکتی ہے۔ اب تک وہ میرے پیار کی چھاؤں میں رہا ہے اگر مجھے کچھ ہو جائے تو تم اسے بکھرنے مت دینا ورنہ اسے سمیٹنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

ماں جی اور بھی جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں مگر زرنشاء کو نہ شانزل سے کوئی مطلب تھا نہ اس کے سمٹنے بکھرنے سے لہٰذا جیسے ہی وہ دوائے کر واپس آیا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس وقت اسے خود اپنے سر میں بے حد درد محسوس ہو رہا تھا۔

وہ رات ماں جی کی زندگی کی آخری رات تھی۔

صبح تہجد کے وقت جب وہ گہری نیند میں سوئی تھی اسے رشیداں نے آ کر اطلاع دی تھی کہ ماں جی وفات پا گئی ہیں۔ سمعان کے بعد یہ دوسری موت تھی جس نے اسے گہرا شاک لگایا تھا۔ نیم خوابیدہ آنکھوں کو مسلتی وہ رشیداں کے ہمراہ ماں جی کے کمرے کی طرف آئی تو شانزل ان کے پیروں پر سر رکھے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس وقت پہلی بار اسے شانزل یزدانی سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی مگر وہ چاہ کر بھی اس کا دکھ بانٹنے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکی تھی۔

ماں جی کی رحلت پر بابا حیات صاحب کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والے اور عائشہ بھی آئی تھی مگر وہ کسی کے قریب بھی نہیں ہو سکی تھی۔ اپنے گھر والوں سے تو اس نے خود ہی کلام کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا جبکہ عائشہ نے خود اسے لفٹ نہیں دی تھی۔ وہ تین دن حویلی میں قیام کے بعد جاتے ہوئے اس نے محض اتنا بتایا تھا کہ سمعان نے اپنی رحلت سے کچھ روز قبل اس کے نام کچھ خطوط لکھے تھے جنہیں اس نے سنبھال کر قیمتی متاع کی طرح اپنے پاس ہی رکھ لیا ہے۔ وہ پھر مضطرب ہو اٹھی تھی۔

ماں جی کا سوگ بھی ہو گیا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھیں شانزل نے کبھی وحشی پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ تاہم ان کی رحلت کے بعد وہ جیسے سچ مچ انسان سے جانور ہو گیا تھا۔

اس کا ظاہری حلیہ پہلے سے بھی بدتر ہو گیا تھا۔ چہرے پر شیو بڑھ گئی تھی۔ سر کے بال بھی لمبے ہو گئے تھے۔

زرنشاء کا خوف مزید بڑھ گیا تھا۔ اس روز وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔ جب وہ دندناتا ہوا اس کے سر پر آ پہنچا۔ اور غصیلی سختی سے اس کا بازو دبوچ کر اسے بستر سے کھینچتے ہوئے بولا۔

"اٹھو ناشتہ بناؤ میرے لئے" آج کے بعد حویلی کے تمام کاموں کی ذمہ داری تمہارے سر ہے۔ کسی بھی کام کے لئے مجھے یاد دہانی نہ کروانی پڑے۔"

"میں اتنے کام نہیں کر سکتی۔" اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں سے حد درجہ خوف کھانے کے باوجود اس نے آواز بلند کی تھی۔ جواب میں اس نے اتنی زور سے اسے طمانچہ رسید کیا کہ زرنشاء کی آنکھوں کے سامنے دن میں تارے ناچنے لگے۔

"تمہارا تو باپ بھی کرے گا کام کیا چیز ہو......؟"

جس وحشت کے حصار میں وہ سمعان کی موت کے بعد جکڑی گئی تھی۔ اب وہی وحشت اسے شانزل یزدانی کی سرخ آنکھوں میں رقص کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس روز شانزل کے محض چند تھپڑوں نے اس کا دماغ ایک دم سے درست کر دیا تھا۔ روزانہ صبح فجر کی اذان کے ساتھ وہ "طوفان" کرتی ہوتی اسے نیند سے جگا دیتا پھر اسی طرح زبردستی اس سے اپنے کپڑے پریس کرواتا ناشتہ بنواتا جب وہ ناشتے سے فارغ ہوتی تو اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھما دیتا۔ پہلے پہل اس نے اس پر بھی احتجاج کیا تھا جواباً اس نے پھر وحشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کام کے لئے بھی رضامند کر لیا۔ دیگر ملازمین کے ساتھ ساتھ رشیداں بھی چپ چاپ یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ شانزل یزدانی کے سامنے بولنے کی ہمت تو اس میں بھی نہیں تھی۔ اپنے گھر میں شادی سے پہلے اس نے کبھی اپنا کپ دھو کر نہیں رکھا تھا مگر اب وہ روزانہ ناشتہ بھی بناتی۔ شانزل کے کپڑے بھی دھوتی پوری حویلی کی صفائی بھی کرتی پھر دن کا رات کا کھانا بھی بناتی۔ آئے گئے مہمانوں کی خاطر داری بھی کرتی روزانہ بستر پر آتے آتے اسے آدھی رات ہو جاتی تھی۔ شانزل صرف اسے اذیت دینے کے لئے جان بوجھ کر رات میں دیر سے گھر آتا اور لیٹ کھانا کھاتا تب تک وہ شدید نیند کے باوجود جاگ کر اس کے لئے تازہ روٹی بنانے اور سالن گرم کرنے کی پابند ہوتی تھی۔

وہ تین بار اسے تھکن سے بخار ہو گیا تھا مگر شانزل نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ الٹا اب وہ مویشیوں کا احاطہ صاف کرنے اور انہیں چارہ کاٹ کر ڈالنے کا بھی حکم سنا رہا تھا۔ مسلسل ذہنی اور جسمانی ٹارچر کی وجہ سے اس میں بے حد کمزوری در آئی تھی۔ سمعان شاہ کی محبت پہلے ہی ہر وقت کے گزرتے لمحوں کی گرد چڑھتی جا رہی تھی۔ دن بھر کڑی مشقت کے بعد وہ اتنی تھک جاتی تھی کہ رات کو بستر پر پڑتے ہی نیند کی بانہوں میں کھو جاتی۔ شانزل یزدانی نے اس سے سمعان شاہ کے لئے رونے کا حق بھی چھین لیا تھا۔

اس کے پاس اب ایسا کوئی رشتہ بھی باقی نہیں رہا تھا کہ جس کے دم پر وہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاتی یا اس کے مظالم پر احتجاج کرتی۔ حویلی کے ملازمین اپنی مالکن کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر چپ چاپ ایک دوسرے سے باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ اکثر ان کی یہ باتیں سن لیتی تھی مگر خاموش رہتی حقیقی معنوں میں اسے اب اس بات سے دلچسپی نہیں رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔

ایک طرح سے اسے خود اذیتی سہہ کر سکون ملنے لگا تھا۔
چہرہ تو وہ پہلے ہی بھول گئی تھی۔ اب شانزل کے سلوک نے اسے بے حس بھی بنا دیا تھا۔
دن بھر کولہو کے بیل کی طرح کام کر کے بھی وہ تھکن محسوس نہیں کرتی تھی۔ شانزل نے اسے صرف احاطہ صاف کرنے اور مویشیوں کیلئے چارہ کاٹنے کا حکم دیا تھا مگر اس نے مویشیوں کا دودھ دوہنا بھی سیکھ لیا تھا۔ شانزل پہلی بار اسے دودھ دوہتے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔
اپنے سید سادے سے پہلے کے باوجود اکثر اسے اس حد تک بے قرار کر جاتی تھی کہ اسے خود کو سنبھالنے کے لئے دوسروں کی باتوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ بہت سے دن یوں ہی بے حسی کی نذر ہو گئے تھے۔ شانزل کو اب اسے کسی بھی کام کیلئے اس پر ہاتھ اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ عام لفظوں میں اس نے صبر کرنا سیکھ لیا تھا اور شاید یہ اس کے صبر کا ہی نتیجہ تھا کہ اب اس کے وحشی پن میں بھی کمی آ گئی تھی۔

اس روز وہ گھر پر نہیں تھا۔
زرنشاہ کو تھکن کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔ اپنے بستر پر کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تو اٹھ کر حویلی کے کھلے صحن میں آ بیٹھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے شانزل کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا ہو گیا تھا۔ اس نے صفائی کا کام پھر سے رشیداں کے سپرد کر دیا تھا۔ پھول پودوں کی دیکھ بھال دوبارہ چوکیدار کے ذمے لگ گئی۔ جبکہ مویشیوں کے لیے بھی اس نے پھر سے مزارعوں کی خدمات مول لے لی تھیں۔
وہ انہی کے متعلق ماں جی کی کہی ہوئی باتوں کو سوچ رہی تھی۔ تاروں بھری رات اور سبک روی سے چلتی ٹھنڈی ہوا نے اس کے اعصاب کو گہرا سکون عطا کیا تھا۔ وہ ابھی وہیں بیٹھی شانزل کے بارے میں سوچ رہی تھی جب اچانک اس کی جیپ کے ٹائر گیٹ کے اس پار چرچرائے اور اگلے چند ہی لمحوں میں وہ ایک سیدھی سادی سی دیہاتی لڑکی کا بازو پکڑے اسے اپنے ساتھ زبردستی گھسیٹتا ہوا اس کے قریب سے گزر کر اپنے علیحدہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی شور مچا رہی تھی۔ وہ ابھی حیران نگاہوں سے یہ ماجرا دیکھ ہی رہی تھی کہ کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک ادھیڑ عمر خاتون سینہ کوبی کرتے ہوئے حویلی کے کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔
"چوہدرائن صاحبہ! خدا کا واسطہ ہے آپ کو میری بچی کو چوہدری کے ظلم سے بچا لیں ابھی پچھلے ماہ ہی تو نکاح ہے اس کا۔ میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔" عورت دیہاتی ضرور تھی مگر اپنے لب ولہجے سے بڑی سمجھدار معلوم ہو رہی تھی۔ تبھی اس نے پوچھا تھا۔
"معاملہ کیا ہے؟"
"معاملہ تو کچھ بھی نہیں ہے بی بی! میرا خاوند معذور ہے بیچارے پورے ایک سال سے "ولی" کر رہا ہے۔ چھ ماہ پہلے اس نے چوہدری سے قرضہ لیا تھا۔ فصل میں نقصان ہو گیا تو قرضہ ادا نہیں کر سکا۔ اس بار پھر فصل اچھی نہیں ہوئی۔ چار بیٹیاں ہیں میری۔ میں نے ہی کہا تھا اپنے خاوند سے کہ پہلے بیٹی کا فرض ادا کر دیتے ہیں۔ چوہدری کا قرضہ بعد میں دے دیں گے مگر چوہدری صاحب نے مہلت دینے کی بجائے میرے خاوند سے جھگڑا کیا اور میری بچی کو زبردستی اٹھا لائے۔ آپ انہیں سمجھا دیں چوہدرائن جی! اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔"
وہ عورت گھبرانے کے ساتھ ساتھ رو بھی رہی تھی۔ تب جانے کیسے ہمت کر کے وہ شانزل کے

کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ لاکڈ نہیں تھا۔ شاید نہیں یقیناً اسے اس بات کا پختہ یقین تھا کہ کوئی اس کے کام میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ اندر کمرے میں اس پر شیطانیت طاری تھی۔
"شانزل......" پہلی بار اسے غصے سے پکارتے ہوئے اس کا روم روم لرزا تھا۔ جواباً اس نے لڑکی سے توجہ ہٹاتے ہوئے خاصی ناگواری سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ آگے بڑھی تھی اور اپنی تمام تر بزدلی کے باوجود زندگی میں پہلی مرتبہ اس مضبوط دل ودماغ والے شخص کے سامنے کھڑی ہو کر للکارا۔ لڑکی ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی جلدی سے اپنی ماں کی طرف لپک آئی تھی۔
"بس کریں اب بہت ہو گیا سمیٹ لیں آپ نے لوگوں کی بہت گناہ کما لئے اب اور نہیں......"
اس کے لب ولہجے میں اونچی آواز میں بولتے ہوئے اس نے کہا تو شانزل کا سارا غصہ ہرن ہو گیا۔ اسے زرنشاہ کی اس درجہ جرأت پر حیرانی ہوئی تھی۔ ادھیڑ عمر خاتون زرنشاہ کو دعائیں دیتی اپنی بچی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گئی تو وہ اس سے الجھ پڑا۔
"کیا بدتمیزی تھی زرنشاہ میں اپنے ماتحت کسی بھی لڑکی کی ایسی جرأت برداشت نہیں کرتا۔"
"نہیں کرتے ہوں گے مگر آپ بھول رہے ہیں کہ زرنشاہ آپ کی ماتحت کوئی ملازمہ نہیں آپ کی بیوی ہے۔"
"اچھا......" اس کے لبوں پر زہر خندی بکھری تھی۔
"بہت ہو گیا شانزل چوہدری! بہت ظلم کرتے آپ نے اب انسان بن جائیں نہیں تو پچھتائیں گے۔"
وہ اس کے الفاظ پر ہنسا تھا۔
"اچھا...... کیا کر لو گی تم......"
"بہت کچھ کر سکتی ہوں میں آپ کو عدالت میں بھی گھسیٹ سکتی ہوں۔"
اس کا دل جل رہا تھا۔ وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔
"بہت خوب! تمہاری معصومیت کا بھی جواب نہیں ہے۔ شاید تم نہیں جانتیں اس ملک میں جو جتنا بااختیار ہے اتنا ہی آزاد ہے۔ جیلیں، عدالتیں، جزا وسزا کے چکر یہ سب غریب و بے بس لوگوں کے لیے بنائے گئے جال ہیں۔ تمہیں یقین نہیں تو جاؤ اور جا کر ابھی کسی تھانے میں میرے خلاف کوئی بھی رپورٹ درج کروا کر دیکھو کوئی کارروائی ہو جائے تو کہنا۔"
کتنا غرور تھا اس کے لہجے میں۔ زرنشاہ جواب میں ایک حرف بھی نہیں کہہ پائی تھی۔
"آپ کا علم بہت محدود ہے مسز آفندی! اس گاؤں کے لوگوں کو جتنا سادہ آپ سمجھتی ہیں یہ لوگ اتنے معصوم ہرگز نہیں ہیں۔ پورے پچاس ہزار کا نقصان کر دیا آج آپ نے میرا۔"
عین اس کی پسند کے سراپے میں ڈھلا وہ دھیمے لہجے میں اس سے گلہ کر رہا تھا۔ جب وہ بولی۔
"عزت غریب کی ہو یا امیر کی، کبھی پیسوں میں خریدی نہیں جاتی۔"
وہ پھر اس کے الفاظ پر ہنسا تھا۔
"خریدی جاتی ہے، دن رات عزتوں کے سودے ہوتے ہیں۔"
"ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہوں گے میں باعزت، شریف لوگوں کی بات کر رہی ہوں۔"
"شریف کوئی نہیں ہے آج کل۔ کبھی اس اونچی

حویلی کی چار دیواری سے باہر نکلو تو پتہ چلے کہ دنیا کے رنگ ڈھنگ کیا ہیں۔"
"بہر حال میں آئندہ حویلی میں آپ کو ایسا کوئی بھی گھٹیا قدم اٹھانے کا سوچنے بھی نہیں دوں گی۔" اس نے حتمی انداز اپناتے ہوئے کہا تھا۔ جواب میں وہ خاصی توجہ سے گہری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے عین اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔
"ٹھیک ہے اپنی قسم واپس لے لو میں حلف اٹھا کر کہتا ہوں سب کچھ چھوڑ دوں گا۔"
"نہیں......"
"پلیز......"
"ہرگز نہیں......" قطعی دو ٹوک انداز میں کہتی وہ اگلے ہی پل اس کے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ جبکہ پیچھے سے شازل کے زور سے دیوار پر مکا مارنے کی آواز صاف سنائی دے گئی تھی۔

❁......+......❁

وقت بدلا تھا تو اس کی سوچ میں بھی قدرے تبدیلی آ گئی تھی۔
حویلی کی اونچی دیواروں میں ہمہ وقت محصور رہ کر اب وہ بیزاری محسوس کرنے لگی تھی لہٰذا اس نے گاؤں کے دو چار صاف ستھرے گھروں میں آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ شازل یزدانی کی بیوی ہونے کی حیثیت سے گاؤں کے غریب لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے تاہم آہستہ آہستہ جب وہ ان میں گھل مل کر ان کے دکھ اور مسائل حل کرنے لگی تو ان سیدھے سادے لوگوں میں اس کا مرتبہ مزید بڑھ گیا۔ اب لوگ جبراً اس کا احترام کرنے کی بجائے دل سے اس کی عزت کرتے تھے۔
شازل بھی وقت بے وقت گھر آ جاتا تو وہ آس پاس کی لڑکیوں میں گھری نظر آتی تھی۔ اس نے حویلی کے صحن میں ہی بچوں کے لیے چھوٹا سا اسکول بھی قائم کر لیا تھا۔ درجنوں بچے میلے کچیلے حلیے میں چھوٹے سے سپارے کو پڑھنے کے لیے اس کے پاس پڑھنے چلے آتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے ساتھ مصروف رہ کر وہ بہت خوش دکھائی دیتی تھی۔
بچوں کو دینی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ وہ ان کی اخلاقی تربیت بھی کر رہی تھی۔ کیسے بولنا ہے بڑوں سے کیسے بات کرنی ہے کھانا کیسے کھانا ہے صاف ستھرے رہنے کے کیا فوائد ہیں۔ سب سکھا رہی تھی۔ شازل اب اگر کسی بات پر اس سے جھگڑا بھی کرتا تھا تو وہ خاموش رہتی تھی جیسے اسے اس سے اور اس کے کسی رویے سے کوئی سروکار ہی نہ ہو اور یہی بات اسے چڑا دیتی تھی لہٰذا وہ بے وجہ اس سے جھگڑا کرنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا تھا۔
اس روز حویلی میں بیٹھے بیٹھے ہی پھر اس کا کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ زرنشا کچن میں شام کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔
مردان خانے سے بلند ہوتی آوازوں پر وہ گھبرا کر کچن سے باہر نکلی تو شازل کو نہایت اشتعال میں بیڈ روم کی طرف بڑھتے پایا۔ تب وہ فوراً اس کی طرف لپکی تھی۔
"زرنشا...... میرا پسٹل کہاں ہے......؟" شدید اشتعال کے عالم میں وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ جب وہ بولی۔
"مجھے نہیں پتہ بات کیا ہے؟"
"کچھ نہیں ہے تم جاؤ سائیڈ پر......" اسے اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے وہ وارڈروب کی طرف بڑھا تھا۔
"نہیں شازل یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔"
"پلیز ایسا مت کرو......" وارڈروب میں سلیقے سے تہہ کیے کپڑوں کو نوچ نوچ کر باہر پھینکتے ہوئے وہ گالیاں بک رہا تھا۔ جب وہ بھاگ کر مردان خانے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں کچھ لوگ جمع ہوئے شازل کے خلاف بول رہے تھے۔ تب وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی تھی۔
"خدا کا واسطہ ہے آپ سب لوگ ابھی یہاں سے چلے جائیں پلیز۔"
"کیوں چلے جائیں وہ اکیلا مرد ہے ہم سب نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں کیا؟ آج فیصلہ ہو کر رہے گا ہم اپنا حق نہیں چھوڑیں گے۔"
ان کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی زمین یا پانی کا جھگڑا تھا۔ ایک مرتبہ پھر وہ شدید بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ اگر شازل برا تھا تو کم وہ لوگ بھی نہیں تھے۔
اسے پسٹل مل گیا تھا۔ زرنشا کو اس لمحے اپنے ہاتھ پاؤں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دماغ ایک دم سے ماؤف ہو گیا تھا۔ شازل نے پہلے فائر کیا تھا مگر اس کا وار خالی گیا تھا تاہم اس کی مخالف پارٹی کا وار خالی نہیں گیا تھا شازل کے نام پر بندوق سے نکلنے والی گولی زرنشا نے جیسے اپنے وجود پر کھائی تھی صرف وہی جانتی تھی۔
شازل نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر دھکیلنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس سے لپٹ گئی نتیجتاً اس کے وجود میں گھسنے والی گولی زرنشا کا بازو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے یک لخت اندھیرا چھا گیا تھا نازک جان کے باعث اپنے بازو پر لگنے والے گھاؤ کی تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے وہ شازل یزدانی کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔
جانے کتنی دیر کے بعد اسے ہوش آیا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گھریلو ملازمہ کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا تب ان جانے خدشوں سے خوف زدہ ہو کر اپنی تکلیف سے بے نیاز اس نے آنکھوں کے اشارے سے ملازمہ کو قریب بلا کر پوچھا تھا۔
"چوہدری صاحب کہاں ہیں؟"
"شہر گئے ہیں جی ڈاکٹر صاحب کو واپس چھوڑنے تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔"
"سب ٹھیک تو ہے نا رشیدہ......؟"
جانے اسے کون سا ڈر پریشان کر رہا تھا شاید وہ پھر سے بے آسرا ہو کر اپنے اصل کی طرف پلٹنا نہیں چاہتی تھی۔
"آہو جی اب تو سب کچھ ٹھیک ہے جب آپ کو گولی لگی تھی تب چوہدری صاحب کا حال دیکھنے والا تھا۔"
"تمہیں غلط پتہ ہے رشیداں......"
"نہیں جی چوہدرانی صاحبہ آپ چوہدری صاحب کو نہیں جانتیں مگر میں انہیں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں ان کا دل بہت اچھا ہے آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟"
"ہاں کہو......"
اسے اس لمحے اپنی ملازمہ سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ بھی دوستانہ انداز میں بولی تو ملازمہ نے اس سے کہا۔
"آپ پڑھی لکھی ہیں سمجھدار ہیں آپ کی عقل کے سامنے تو میرا دماغ کچھ بھی نہیں مگر پھر بھی میں آپ سے بہتر جانتی ہوں کہ اگر کوئی انسان برا ہو تو اس کی برائی کو ختم کیسے کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے بی بی جی کہ اگر آپ کسی کو غلط سمجھتی ہیں تو بجائے اس سے نفرت کرنے کے کیا اسے اس کی برائی

کا غلط ہے کہ آپ اپنی اچھائی سے سب بھلائی کی طرف مائل کرو۔ آپ کا پیار، آپ کی توجہ، آپ کی تھوڑی سی محنت کسی بھی برے سے برے انسان کو اچھا بنانے کے کام آ سکتی ہے۔ عموماً سب جانتے ہیں مگر کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نیکی ہے کہ آپ کی محبت کسی برے انسان سے اس کی برائی چھڑوا کر اسے اچھا اور نیک بنا دے؟" وہ اسے جو بات سمجھانا چاہ رہی تھی وہ بات زرنشاء بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ بھی بازو سے الجھتی ڈوری کی ہیس کو ٹھیک کرتے ہوئے بولی تھی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر ساری بات تو دل کی ہے رشیدہ! انسان کا دل ہی مر جائے تو اسے کہاں کسی کی اچھائی برائی سے سروکار ہوتا ہے۔"

رشیدہ ابھی شاید کچھ اور بھی کہتی مگر اسی لمحے شاذل واپس آ گیا تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ تب وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں مجھے کیا ہوا ہے۔"

"میں نے منع کیا تھا نا تمہیں، پھر کیوں دخل دیا میرے ذاتی معاملے میں؟"

"وہ آپ کا ذاتی معاملہ نہیں تھا۔"

وہ بنا جواب دیتے ہوئے اس نے ذرا سا رخ پھیرا تو شاذل اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"سوری زرنشاء! مگر آئندہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے آئندہ اگر آپ بھی یوں گھر میں کسی سے جھگڑا نہیں کریں گے تو میں بھی درمیان میں نہیں آؤں گی۔"

اس کے مدھم اور نرم لہجے کے جواب میں وہ پھر بولا تو شاذل اسے گہری نگاہ سے دیکھتا سر ہلا کر رہ گیا۔

"میں نے کہا ہے نا، تم اپنی قسم واپس لے لو، میں سب کچھ چھوڑ دوں گا۔"

اب اس کے لہجے اور نگاہ میں شوق کا ایک عالم آباد تھا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے؟ کیا میں ساری زندگی یونہی ترستا رہوں گا؟ کیا ایک بار بھی [illegible] زرنشاء میں مر جاؤں گا۔" وہ شدید [illegible] تھا مگر زرنشاء نے قطعی بے نیازی سے کام لیتے ہوئے آہستہ سے کروٹ بدل کر پلکیں موند لیں۔

❁ --- + --- ❁

آنے والے دنوں میں اس نے شاذل کو بہت بدلتے دیکھا تھا۔

اس پتھر سے سر پھوڑتے پھوڑتے شاید وہ خود بھی پتھر کا ہو رہا تھا۔ اب اسے زرنشاء کی بے اعتنائی یا مصروفیات سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ ہمہ وقت اپنے ہی جھمیلوں میں مصروف وہ ہر ممکن حد تک اس کی ذات کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اس روز زرنشاء نے پورے ایک ہفتے کے بعد اسے دیکھا تھا۔

سلیقے سے کٹے ہوئے سر کے بالوں اور تازہ شیو کے ساتھ وہ اتنا دلکش دکھائی دے رہا تھا کہ زرنشاء چاہ کر بھی خود کو اس کی طرف دیکھنے سے روک نہیں پائی تھی۔ وہ شخص جو اس کے لیے [illegible] پھرتا تھا اب کسی بچے کی طرح خود اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ روزانہ اس کے بازو کی پٹی وہ خود تبدیل کرتا، اسے خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا، وہ منع کرتی رہ جاتی مگر وہ اس کے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔

ابھی دنوں اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ پچھلے ڈھائی سال میں اس نے بھولے سے بھی پلٹ کر اپنے میکے والوں کی خبر نہیں لی تھی تاہم اپنے والد کی وفات کا سن کر وہ بلک پڑی تھی۔ اس مرحلے پر بھی شاذل نے اس سے بھرپور تعاون کیا تھا۔ وہ خود اسے اپنی گاڑی میں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔

وہ حیران تھی کہ اس کی خود ساختہ نفرت اور گریز کے باوجود وہ اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کر رہا تھا۔ اس وقت اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی وہ اس سے مانوس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ دل کے زخموں پر رفتہ رفتہ کھرنڈ آنا شروع ہو گیا تھا۔ نفیسہ بیگم کے سینے سے لگ کر ڈھیر سارا روتے ہی اس کے دل سے وہ غبار بھی نکل گیا تھا جو پچھلے ڈھائی سال سے اس کے دل میں بھرا بیٹھا تھا۔ شاذل کی محبت کی وجہ سے ہی اس کے میکے میں اس کا سر بلند ہوا تھا۔

گو اب بھی کسی نہ کسی بات پر وہ غصے سے بپھر جاتا تھا مگر اب اسے اپنے غصے پر کنٹرول پانا آ گیا تھا۔ زرنشاء کا دل جیتنے کے لئے تو گویا اس کے جھگڑوں میں بھی کمی آ گئی تھی۔ اب وہ گھر بھی جلدی آنے لگا تھا۔ زرنشاء محسوس کر رہی تھی کہ وہ اس کے قریب رہنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اسے اس کی محبت پر ہنسی آ گئی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ اس کی نگاہ میں مقام پاتا جا رہا تھا۔ اسے اب اس کا اپنے آگے پیچھے پھرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

صاف ستھرے [illegible] حلیے میں سلیقے سے بات کرتا وہ اتنا اچھا لگتا تھا کہ زرنشاء بے مقصد ہی ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف تکتی رہتی تھی۔ اگلے چند دنوں میں شاید اس کی خوشی کے لئے اس نے گاؤں میں اپنے حصے کی زمین فروخت کر کے شہر میں اپنا الگ بزنس شروع کر دیا۔ روزانہ شہر سے گاؤں اور گاؤں سے شہر جانے کی مشقت اسے بری طرح تھکا دیتی تھی۔ لہٰذا کاروبار سیٹ ہوتے ہی اس نے شہر میں خوبصورت بنگلہ تعمیر کروا کر زرنشاء کو بھی وہیں بلوا لیا تھا۔

کہانی اب الٹ ہو گئی تھی۔

پچھلے ڈھائی سالوں میں ہر ممکن طریقے سے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے والا وہ شخص شہر آ کر اچانک بدل گیا تھا۔ ساجیہ نے ایک بار اس سے کہا تھا۔

"شاذل اچھا لڑکا ہے زری! کھو جانے والی محبت کے دکھ میں اس کا دل بے آباد نہ کرنا کیونکہ بے آباد دل ہوں یا گھر اگر خالی پڑے رہیں تو وہاں آسیب کا بسیرا ہو جایا کرتا ہے۔"

ساجیہ نے سچ کہا تھا۔ شاذل یزدانی کا دل بھی آسیب زدہ ہو گیا تھا۔ انسان خواہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو اس کی تنہائی اور اکیلا پن اسے کمزور کر دیتے ہیں۔ وہ بھی اپنی تنہائی سے لڑتے لڑتے کمزور ہو گیا تھا لہٰذا جیسے ہی مہرین ترمذی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھی وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مہرین ترمذی اس کے بزنس پارٹنر کی اکلوتی بہن تھی جس کا صرف ظاہری حسن ہی قابل ستائش نہیں تھا بلکہ وہ باطنی طور پر بھی اپنی مثال آپ تھی۔ ماں جی کے بعد وہ دوسری عورت تھی جس کا پیار خاص تھا۔

اپنے دوست کی معرفت اسے مہرین کی ناکام ازدواجی زندگی کا پتہ چلا تھا۔ چند ماہ قبل ہی اس نے اپنے شکی شوہر سے ڈائیوورس لے کر آزادی کا سانس لیا تھا۔ فطرتاً وہ زندہ دل اور حساس لڑکی تھی۔ شاذل کی طرح اسے بھی پوری کائنات میں صرف ایک ایسے مخلص شخص کی تلاش تھی جسے پا کر وہ اپنا ہر دکھ بھول جائے۔ جو اسے اندر سے کچھ شکستہ اور بے رنگ

شازل ایسا ہی شخص تھا۔
اسے بھی میرین ترمذی کی اپنائیت اور اپنے لیے فکرمندی اچھی لگی تھی۔ میرین کے زندگی میں آنے کے بعد زرتاشہ آفندی کی بے اعتنائیوں پر کڑھنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ زرتاشہ آفندی ان دونوں کے تعلق سے زیادہ دور تک بے خبر نہیں رہ سکی تھی۔ پہلی بار جب اس پر شازل کی بے نیازی کی اصل وجہ کھلی تو وہ اس سے الجھ پڑی تھی۔ اس سے برداشت ہی نہیں ہوا تھا کہ کل تک اس کے ناز اٹھانے والا وہ شخص اب اسے پس پشت ڈال کر کسی اور کے ساتھ خوش ہے۔ اس کا دل جلا تھا اور بہت بری طرح جلا تھا۔
اس وقت اس نے شازل سے فوری طور پر علیحدگی کا قطعی جذباتی فیصلہ کرتے ہوئے اسے بھی اپنے دل میں آگ کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔
اس روز پھر اس کی واپسی میں تاخیر ہوئی تھی۔ وہ جلے پیر کی بلی کی طرح لاؤنج میں چکر لگاتی پیچ و تاب کھاتے ہوئے جانے کیا کیا سوچتی رہی تھی۔ ساڑھے گیارہ کے قریب جب وہ واپس آیا تو اسے لاؤنج میں مضطرب بیٹھے دیکھ کر وہیں رک گیا۔
"کہاں سے آ رہے ہیں آپ؟"
بغیر سلام دعا کے کسی پتھر کی طرح یہی پہلا جملہ اس نے شازل کی طرف اچھالا تھا۔ جواب میں تھکن سے بے حال ہونے کے باوجود اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
"تمہیں کی طرف تھا کیوں تمہیں کوئی کام تھا؟"
"جی نہیں! مجھے آپ سے کبھی بھی کوئی کام نہیں ہو سکتا میں صرف آپ کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ آج کل جو سرگرمیاں آپ سرانجام دے رہے ہیں نا میں ان سے بے خبر نہیں ہوں۔"
"کیا مطلب....؟" وہ پھر چونکا۔ جب وہ بولی۔
"مطلب سے بے خبر تو آپ بھی نہیں ہیں! بہرحال اگر آپ کو آپ کا گوہر مقصود مل ہی گیا ہے تو میرا آپ کی زندگی میں کیا کام ہے؟"
"تم کیا کہہ رہی ہو زرتاشہ! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ دوسری طرح الجھا تھا۔ جب وہ زہر میں بجھی ہنسی ہنس کر بولی
"ابھی ایسے سکتا ہے آج کل دماغ پر کسی کے عشق کا بھوت سوار ہو جیسے حال تو ہوتا ہی تھا۔"
"مجھے تمہاری طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑا تھا۔ جواب میں زرتاشہ اس کی بات پیلو بھی پر مزید کڑھتے ہوئے بولی۔
"میری طبیعت ٹھیک ہے میں پورے ہوش و حواس میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ اپنے دوست کی بہن میرین ترمذی سے شادی کر لیں اور مجھے طلاق دے دیں۔"
"واٹ....؟" اس کے بجھے ہوئے چہرے کی جانب دیکھتا وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔
"تم سچ مچ پاگل ہو گئی ہو زرتاشہ! میرین میری دوست ہے صرف اچھی دوست۔"
"اچھی دوست کو بیوی بنتے کون سی دیر لگتی ہے۔" اس کے اندر کی جلن چہرے پر ظاہر ہو رہی تھی۔ شازل نے اس لمحے اس سے الجھنا مناسب نہ سمجھا۔
"تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ غصے سے کہتے ہوئے وہاں سے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا مگر زرتاشہ آفندی وہیں بیٹھ کر اس رات بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ اسی رات اس پر یہ بھید کھلا تھا کہ وہ بے حد کمزور ہے۔ وہ محض زبردستی اس کی زندگی کا ساتھی بن گیا تھا اب اس شخص کی توجہ اور محبت میں کسی

تیسرے فرد کی شرکت اسے کسی طور گوارا نہیں تھی۔ گو شازل یزدانی کی زندگی سے بے وقعت ہو کر نکل جانا بھی اسے گوارا نہیں تھا مگر.... وہ اس سے محبت کا دعویٰ کر کے کسی اور کی پناہوں میں سکون تلاش کرے یہ بات اس کی برداشت سے بہت باہر تھی۔ لہٰذا اب وہ اس کی خاموشی پر اندر ہی اندر جلتے ہوئے اس سے الجھنے کے بہانے ڈھونڈنے لگی تھی۔ گزرتے ہر دن کے ساتھ اس کی وحشت میں اضافہ ہو رہا تھا۔
وہ شازل سے شادی کے ابتدائی دنوں والی محبت اور دیوانگی کی خواہش مند تھی مگر وہ پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ طلاق کے لئے اس کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ مگر اب.... جبکہ وہ خود اسے طلاق دینے پر رضامند ہو گیا تھا اسے لگا جیسے ایک مرتبہ پھر بے مول ہو کر بکھر گئی ہو۔
جدائی کا فیصلہ کر لینا آسان ہوتا ہے مگر اس پر عمل کر لینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسے یہ سوچ کر ہی تکلیف ہو رہی تھی کہ شازل یزدانی کے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ سامعہ کہتی تھی کہ وہ اسے اپنی طرف مائل کرے اسے اپنی زندگی میں اس کی اہمیت کا احساس دلائے مگر.... یہی تو آسان نہیں رہا تھا اس کیلئے۔ اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے شازل کا دل بے آباد کیوں رکھا۔ کیوں پتھر سے موم ہونے میں اتنی دیر لگا دی کہ محبت کا دیوتا خود پتھر کا ہو گیا۔ اب اسے شازل سے اپنی نفرت اور گریز یاد آ رہا تھا اور وہ پچھتا رہی تھی۔

❁....+....❁

شازل کے کسی دوست کی شادی تھی۔ اس نے آفس سے فون کر کے شام میں اسے تیار رہنے کی تلقین کر دی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کہیں کسی فنکشن میں جاتے ہوئے اسے اس کی ضرورت محسوس ہوئی ہو ورنہ اب تک ہر جگہ میرین ترمذی ہی اس کے ساتھ دکھائی جا رہی تھی۔
شازل کے فون سے اسے صرف حیرت ہی نہیں بے اندازہ خوشی بھی ہوئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ نماز میں اپنے پاک پروردگار کے حضور یہی دعا کثرت سے مانگ رہی تھی کہ کوئی معجزہ ہو اور اس کا ہرجائی خدا اس کی طرف واپس لوٹ آئے۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ شازل کو بے حد پریشان دیکھ رہی تھی۔ وہ وقت پر کھانا کھا رہا تھا نہ سو رہا تھا۔
"پچھلے کئی دنوں میں شدید درد ہے۔ اس کے باوجود پرہیز نہیں کرتے بہت بیزار ہو گئے ہیں زندگی سے؟"
"ہاں...." بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔
زرتاشہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔ وہ لپک کر آگے بڑھی تھی اور شازل کے پاس بیڈ پر اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔
"شازل! آر یو او کے....؟" اس کا ہاتھ شازل کے مضبوط ہاتھوں پر جا ٹکا تھا۔ جواب میں وہ مضبوط گرفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھی بکھر گیا۔
"ماما کو بلڈ کینسر ہے زرتاشہ! شی از گوئنگ ٹو ڈائی۔"
"واٹ....؟" اسے دھچکا لگا تھا مگر شازل اب سسک رہا تھا۔
"میری قسمت میں محبت نہیں ہے میں جس ستون کا سہارا لے کر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہوں وہی ستون گر جاتا ہے۔"
اس کی آواز میں درد تھا۔ زرتاشہ آفندی کو بے ساختہ تین سال پہلے کا وہ وقت یاد آ گیا۔ جب وہ بھی سمعان شاہ کے لئے اسی درد سے گزر رہی تھی۔ اس

نے ایک مرتبہ پھر زرنشاء آفندی کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔

"شانزل! میں ہوں ناں آپ کے ساتھ آپ کی دوست آپ کی ہم سفر۔" صرف ایک لمحہ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں اور اس نے اس لمحے کو ضائع کیے بغیر شانزل کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ اس کی اس درجہ نوازش پر جی بھر کر حیران ہوتا مگر اس وقت وہ رنجیدہ تھا۔ لہٰذا کسی معصوم سے بچے کی مانند ذرا سا آسرا پاتے ہی وہ اس کے سینے سے لگ کر رو پڑا۔ جانے کتنے پل یونہی بیت گئے تھے۔ وہ روتا رہا اور زرنشاء اس کا درد محسوس کرتے ہوئے خود بھی افسردہ ہوئی اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی اسے چپ کروانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

اسی روز سے اس نے شانزل کا بے حد خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اب شانزل کے کمرے میں بیڈ پر اس کے ساتھ ہی سونے لگی تھی مگر ..... وہ اس کا بے حد ممنون ہونے کے باوجود اب تک کسی قسم کا بھرم کھو رہا تھا۔ زرنشاء آفندی کی پیش قدمی کے باوجود وہ اسے چھونے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا تھا۔ آنکھوں میں چھلکتی تشنگی کے باوجود اس نے ہونٹوں پر چپ کا قفل لگا لیا تھا۔

وہ تین روز قبل شانزل کے ہمراہ شاپنگ کے دوران اس نے مہرین کو مارکیٹ میں دیکھا تھا۔ کروڑ پتی ہونے کے باوجود اس کا سراپا نہایت سادہ تھا۔ اس سے پہلی ملاقات میں ہی وہ اس سے متاثر ہو گئی تھی۔ دل میں اس کے لیے جو میل پہلے تھا وہ اسی ایک ملاقات میں دھل کر صاف ہو چکا تھا۔ شانزل کے ساتھ ساتھ اب وہ بھی اتنی اچھی لڑکی کی اتنی چھوٹی سی عمر میں موت پر دکھ محسوس کر رہی تھی۔

اس روز ان تینوں نے مل کر لنچ ایک ساتھ کیا تھا۔ اسی روز مہرین ترمذی کی زبانی اسے شانزل یزدانی کی زندگی میں اپنی اہمیت اور مقام کا پتہ چلا تھا۔

شانزل کا فون دوبارہ آیا تھا۔ وہ اس سے اس کی تیاری کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ زرنشاء نے اس سے صرف بیس منٹ لے لیے تھے اور شانزل کے کپڑے تو وہ پہلے ہی پریس کر کے رکھ چکی تھی۔ اب صرف بال بنا کر چہرے کی تزئین و آرائش باقی رہ گئی تھی۔

آج اس کا ارادہ مکمل طور پر شانزل کے خیال کے تمام تیل کرنے کا تھا لہٰذا بھاری کام والی بلیک ساڑھی زیب تن کر کے اس نے اپنے لمبے سیاہ بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ شانزل کو سیاہ رنگ بہت پسند تھا۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ اس کے لیے دل سے سج سنور رہی تھی۔

تقریباً پچیس منٹ کے بعد وہ آفس کے تمام کام نمٹا کر گھر میں داخل ہوا تو زرنشاء اپنی تیاری کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ وہ لاؤنج عبور کرتا اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو زرنشاء پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک گیا۔ بلیک ساڑھی میں نفاست سے کیے گئے میک اپ کے ساتھ وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ اس کا دل بے ساختہ اسے دیکھ کر مچل اٹھا تھا۔

"آ گئے آپ! دیکھئے میں بالکل Ready ہوں۔"

خاص اس کی پسند کے سراپے میں ڈھلی اس کے قتل کا بھرپور انتظام کیے وہ اس کے سامنے امتحان بن کر آ کھڑی ہوئی تھی۔ شانزل یزدانی کو اس وقت اپنے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ دوست کی شادی کی

تقریب Miss کر کے وہیں رک جائے۔ زرنشاء اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگ دیکھ رہی تھی۔ تبھی سرور کن انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"آپ کے کپڑے میں نے پریس کر دیے ہیں۔ جلدی سے شاور لے کر تیار ہو جائیں تب تک میں آپ کیلئے چائے بنا لیتی ہوں۔"

"او کے....." خود اپنی ہی برداشت کا امتحان لیتے ہوئے اس نے زرنشاء کے دلکش سراپے سے نگاہ چرائی تھی۔ شادی کی تقریب میں وہ جان بوجھ کر شانزل کے ساتھ ساتھ رہی۔ پہلی بار اسے اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

مہرین ترمذی بھی وہیں تھی۔

مرجھائے گلاب کی مانند اداس چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے وہ ان دونوں کے ساتھ ہی بیٹھی رہی۔ شانزل کسی کام سے اٹھ کر اپنے دوست حسن کی طرف گیا تو مہرین نے اپنی توجہ اس کی جانب مبذول کر لی۔

"زری! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"ہاں کہو میں سن رہی ہوں۔"

وہ بھی فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ تبھی وہ سرسری سی اک نگاہ ڈالتے ہوئے ذرا سا رخ پھیر کر بولی۔

"شان نے تمہیں میری بیماری کے متعلق تو بتا ہی دیا ہوگا۔ میں جانتی ہوں وہ مجھے کھونا نہیں چاہتا اسی لیے رنجیدہ ہے لیکن میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں زری کہ اس کے اور میرے بیچ قائم تعلق میں میرا کوئی کمال نہیں ہے مرد ہمیشہ عورت کی طرف سے بچے خاص پیار کا طلب گار رہتا ہے۔ یہ پیار اگر اسے اپنے گھر میں کسی رشتے سے نہیں ملتا تو پھر وہ گھر سے باہر بھٹکتا ہے۔ اس میں قصور مرد کا نہیں گھر کی عورت

قرآنی آیات کی عام فہم تفاسیر جنہیں

مشتاق احمد قریشی

نے مستند تفاسیر اور حوالوں سے آراستہ کیا ہے

قیمت		کتاب کا نام
[illegible]	=	سورۃ اخلاص سورۃ اخلاص کی آسان تفسیر
[illegible]	=	سورۃ الفلق الفلق کی آسان تفسیر
[illegible]	=	العصر سورۃ العصر کی آسان تفسیر
[illegible]	=	الکافرون سورۃ الکافرون کی آسان تفسیر
[illegible]	=	الفاتحہ سورۃ الفاتحہ کی آسان تفسیر
[illegible]	=	کلمہ طیبہ کلمہ طیبہ کی آسان تفسیر
[illegible]	=	سورۃ یٰسین سورۃ یٰسین کی تفسیر
[illegible]	=	الکوثر سورۃ الکوثر کی آسان تفسیر
[illegible]	=	السلام علیکم سلام کی آسان قرآنی تفسیر
[illegible]	=	یاایھا الذین آمنو جہاں قرآن پاک میں اللہ نے براہ راست اہل ایمان کو خطاب کیا
[illegible]	=	امام اعظم حیات و شخصیت امام ابوحنیفہ کی زندگی اور فقہ کے بارے میں کارآمد کتاب

کا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں جذباتیت بہت بڑا المیہ ہے اپنی ناک اونچی رکھنے میں ہم دل کو اجاڑنے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ تمہارا مرد بھی ایک عام مرد ہے زری۔ کوئی افسانوی ہیرو نہیں ہے اگر تم یونہی اس کے ضبط کا امتحان لیتی رہیں تو میرے بعد وہ کسی اور کے کندھے پر سکون تلاش کرے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ ایسا ہو، کیونکہ وہ حق تمہارا ہے وہ کسی اور کو کیوں ملے؟

وہ تم سے پیار کرتا ہے زری، تم سے پیار چاہتا ہے۔ بھٹکنے سے بچالو۔ خود کو بے بس رکھنے کیلئے اگر وہ کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھا تو کیا تم خود کو معاف کر پاؤ گی؟"

صرف ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے زرنشاء کے جھکے سر کو دیکھا پھر اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"میں آج رات کی فلائٹ سے ایک ماہ کے لئے نانو کے ہاں جا رہی ہوں اگر زندگی واپس لے آئی تو میں شانزل کو تمہارے ساتھ دل سے خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ بولو زری! کیا تم اپنی دوست کی یہ آخری خواہش پوری کرو گی؟" کس حسرت سے وہ پوچھ رہی تھی۔ زرنشاء کا سر اس کی طرف دیکھتے ہوئے خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

"ہاں......"

"تھینک یو سو مچ۔ تم واقعی بہت اچھی ہو۔"

اس کی پلکیں بھیگنے سے نم ہوئی تھیں۔ عین اسی لمحے شانزل واپس آ کر ان کے قریب بیٹھا تھا۔

"کسے اچھا کہہ رہی ہو ہانی؟ یہ لڑکی انسان نہیں پتھر ہے اور پتھروں سے کبھی کوئی فیض نہیں پاتا۔" وہ اس کا جملہ سن چکا تھا۔ زرنشاء اپنے متعلق اس کے یوں کھلم کھلا تبصرے پر شرمندگی سے سر جھکا گئی تھی جبکہ

اسے اس کا گلہ کرنا اچھا لگا تھا۔

اگلے دو چار گھنٹوں میں تقریب سے فارغ ہو کر شانزل اسے گھر سے باہر گیٹ کے قریب ڈراپ کر کے پھر واپس چلا گیا تھا۔ زرنشاء جانتی تھی وہ مہرین زندگی کے پاس گیا تھا۔ اسے خود رخصت کرنے رخصت کے بہت سے لمحے اس کے ساتھ بسر کرنے۔ لہٰذا وہ چپ چاپ گیٹ کھول کر اپنے بیڈ روم میں چلی آئی تھی۔

عورت کو زندگی کے ہر موڑ پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ اس نے بھی اپنے حالات اور تقدیر سے سمجھوتہ کرتے ہوئے اپنی انا کا سر کچل دیا۔

پچھلے دنوں اس نے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے ہوئے سمعان شاہ کے ادھورے تمام پورٹریٹ جلا دیئے تھے۔ اس کی موت کے بعد ایسا دل ویران ہوا کہ وہ چاہ کر بھی اس کی کوئی تصویر مکمل نہیں کر پائی تھی۔ شانزل اس رات بہت تاخیر سے گھر واپس آیا تھا۔ تب تک زرنشاء آتش دان کے پاس بیٹھی شعلوں کے دہکنے کا منظر بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ لباس تبدیل کئے بغیر اس کا انتظار کر رہی تھی۔

شانزل تھکے تھکے قدموں کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہونے کے بعد وہیں قریبی صوفے پر بے سدھ ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ تب اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شانزل چائے لاؤں؟"

"نہیں......"

تبھی وہ اٹھ کر قریب آ گئی تھی۔

"سر میں درد ہو رہا ہے تو سر دبا دوں؟"

"نہیں......سو جاؤ تم۔"

کہنے کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر اپنی خواب گاہ کی

طرف بڑھ گیا تو زرنشاء نا قدری بھی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔ جانے کیوں اس لمحے وہ اسے بے حد بکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب اس نے اسے اپنی ذات میں سمیٹ لینے کی ضرورت شدت سے محسوس کی تھی۔ اندر کمرے میں اپنے بیڈ کے قریب صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے بیٹھا وہ اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوا تھا لہٰذا وہ سست روی سے چلتی نیچے قالین پر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

"شانزل" آہستہ سے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھتے ہوئے اس نے پھر پکارا تھا۔ جواب میں شانزل نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہاں......" اس کی آنکھیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔ زرنشاء کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا۔

"آپ کو کچھ دکھانا تھا دیکھیں گے؟"

وہ اس کی اس درجہ لگاوٹ کو خود سے اس کی ہمدردی پر محمول کر رہا تھا۔ تبھی آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ اٹھ کر بیڈ کی دوسری طرف سے ایک پورٹریٹ اٹھا لائی۔ آج ان کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ اسی نسبت سے اس نے ایک خوبصورت منظر پینٹ کیا تھا جس میں وہ ہتھیلی پر چھوٹا سا ایک رکھے شانزل کے سینے سے لگی مسکرا رہی تھی اور شانزل اس کے گرد بازو حمائل کیے اوپر نیلے آسمان پر اڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ ان کے گرد وان میں بہت سے خوشنما پھول بھی دکھائی دے رہے تھے۔

"کیسے ہے کیسا لگا میرا شاہکار؟"

وہ لڑکی جس کی آنکھوں میں اس نے اپنے لیے حد درجہ نفرت اور حقارت دیکھی تھی۔ اس وقت اسی لڑکی کی آنکھوں میں اس کی محبت کے دیے جل رہے

تھے۔ وہ حیران ہوا تھا۔ بے حد حیران۔

"کیا ہوا تصویر اچھی نہیں لگی؟" اس کے چہرے پر آتے رنگ کا گہری نظر سے مشاہدہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا تو وہ کہہ اٹھا۔

"نہیں......"

"کیوں......؟" وہ بے طرح حیران ہوئی تھی۔ جبکہ وہ اس وقت بے حد مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ اب جبکہ دل کی ساری خواہشیں منہ لپیٹ کر سو گئی تھیں تو وہ پتھر دل لڑکی اپنے موم ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

"اس تصویر میں گہری منافقت ہے زرنشاء اور میں رشتوں میں منافقت پسند نہیں کرتا۔"

کہنے کے ساتھ ہی وہ بیڈ پر جا کر لیٹ گیا تو زرنشاء بھی حیران حیران سی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"منافقت...... کیسی منافقت؟" اسے اپنے جذبوں کی بے قدری پر دکھ ہوا تھا۔ شانزل نے اس سے نگاہ چراتے ہوئے پھر سگریٹ سلگالی۔

"جس شخص سے تمہیں کوئی دلی لگاؤ نہیں جس کا جینا مرنا تمہارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو زبردستی تمہاری زندگی میں شامل ہو گیا ہے اس سے ایسی لگاوٹ دکھانا منافقت نہیں تو اور کیا ہے۔"

پچھلے تین سالوں سے جو غبار اس کے دل پر جما تھا وہ اس وقت اچانک نکلا تھا۔ زرنشاء اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"شانزل...... اگر میں آپ سے کہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے تو کیا آپ میری بات کا یقین کر لیں گے؟" کچھ پل خاموش رہنے کے بعد اس نے پوچھا تھا۔ جواباً وہ فوراً بول اٹھا۔

"نہیں......"

"کیوں....؟" پھر سے سراپا سوال بنتے ہوئے اس نے شاذل کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ جب وہ بولا۔

"میں نے کہا ناں میں منافقت پسند نہیں ہوں۔ عورت زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتی ہے اور تم وہ محبت کر چکی ہو۔ میرے ساتھ تو تم نے صرف سمجھوتہ کیا ہے۔ اذیت انتہائی ہے میں خود پچھلے تین سالوں میں بے حد مضطرب رہا ہوں مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔"

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ زرنشاء کے لئے اس کا دل صاف کرنا بے حد مشکل ہو گیا۔

"مگر.... مجھے آپ سے گلہ ہے شاذل۔"

یک لخت بھرائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔ جواب میں وہ قدرے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کیا....؟" فوراً اس نے پوچھا تھا۔ جب وہ بولی۔

"آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے جب میرا دل کسی اور کی محبت سے آباد تھا تب آپ نے میری سانسیں، میری سوچ، میرا جسم سب خرید لیا۔ مجھے اتنا بے بس کر دیا کہ میں اپنے محبوب کی زندگی بچانے کے لئے گھر سے بھاگ بھی نہ سکی سوائے دعا اور آنسوؤں کے میرے اختیار سے سب کچھ چھن گیا تھا صرف آپ کا نام پانے کی پاداش میں میں نے اپنی محبت کی قربانی دے دی۔ میرا دل اجڑ گیا۔ روح سن ہو گئی ایک ایک سانس بھاری ہو گئی مجھ پر لیکن آپ سمیت کسی نے بھی مجھ پر رحم نہیں کیا میں نے مانا کہ میں اور صمعان غلط تھے۔ لیکن یہ کسی اپنی ہوتی نہیں تھی کہ وہ شخص وہاں اسپتال میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا۔ اس نے ہمیشہ آپ سے محبت کی۔ آپ کا احترام کیا مگر آپ نے کیا کیا....؟ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی آپ نے اس سے نہ صرف اس کی محبت چھین لی بلکہ اسے اس کی زندگی سے بھی محروم کر دیا۔ پھر بھی میں نے آپ کے ساتھ سمجھوتہ کیا۔ آپ سے شادی کے ابتدائی دنوں میں دن رات میں یہی سوچتی رہتی تھی کہ آپ کا قتل کیسے کروں؟ اگر میں صمعان کی نہیں ہو سکی تو آپ کی بھی کیوں رہوں؟ لیکن اس سوچ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور میں گزرتے ہر لمحے کے ساتھ جانے کب، کیسے اور کیوں آپ کی ذات سے مانوس ہوتی چلی گئی۔ پتہ نہیں یہ اماں جی کی نصیحتوں کا اثر تھا یا رشیدہ کے مشوروں کا مگر سچ یہی ہے کہ میں آپ کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ آپ کی غلط حرکتوں پر کڑھنے کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی تکلیف پر درد بھی ہونے لگا تھا آپ اسے محبت نہ بھی مانیں تب بھی آپ کی اپنے لیے دیوانگی مجھے خوشی دینے لگی تھی۔ بعد میں جب آپ مجھ سے بے نیاز ہوئے تو مجھے لگا جیسے کسی نے میرے اندر گہرے اضطراب کا پارہ بھر دیا ہے۔ صمعان شاہ کے بعد اگر کسی کی جدائی کا تصور مجھے بے قرار کر رہا تھا تو وہ آپ ہی تھے۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں مگر میری زندگی کا سچ یہی ہے کہ میں اب آپ کے بغیر نہیں جی سکتی۔ خوش نہیں رہ سکتی"۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں جبکہ چہرہ رونے کی وجہ سے خوب سرخ ہو رہا تھا۔ شاذل یزدانی اس کے اس درجہ غیر متوقع اظہار محبت پر حیران رہ گیا تھا۔

تبھی زرنشاء نے اپنی آنکھیں پونچھ کر کہا۔

"میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں مرد ہو یا عورت جہاں اسے خالص محبت ملے گی وہ وہیں جھکے گا مگر.... میں آپ کو اس کے دکھ میں مرنے نہیں دوں گی"۔

کتنی بدل گئی تھی وہ، شاذل اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

"آپ سو جائیں، میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں"۔

نہایت محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے اٹھی تو شاذل نے اس کی ساڑھی کا پلو تھام لیا۔

"نہیں.... اور کوئی اعتراف نہیں کرنا تمہیں....؟"

زرنشاء نے پلٹ کر دیکھا اس لمحے شاذل یزدانی کی آنکھوں میں محبت کا وہی رنگ چھلک چھلک جا رہا تھا جو اس نے تین سال قبل دیکھا تھا جبھی وہ پھر اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی۔

"آئی ایم سوری شاذل میں پہلے نہیں جانتی تھی مگر اب بہت اچھی طرح سے جان گئی ہوں کہ محبت کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جانے والوں کے دکھ میں اگر ہم اپنے پاس موجود ہستیوں کو اپنی محبت سے محروم کریں گے تو ان کا دم گھٹ جائے گا۔ محبت وہ واحد جادوئی تاثیر ہے جس سے آپ کسی بھی پتھر کو موم کر کے اپنی پسند کے قالب میں ڈھال سکتے ہیں۔ اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے"۔ خالص مشرقی بیوی کے سراپے میں ڈھلی وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ جواب میں شاذل نے مکمل پرسکون ہوتے ہوئے اسے اپنی مضبوط پناہ میں سمیٹ لیا۔ صرف ایک لمحے میں زرنشاء کو لگا جیسے تپتے صحرا سے اچانک کسی سایہ دار درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کے حصار میں آ گئی ہو۔

"تم نے مجھے بہت دکھ دیے ہیں زرنشاء بہت توڑ پھوڑ کی ہے میرے اندر"۔

اس کی خواہش و اجازت سے اسے خود میں سموئے وہ بہت دکھ سے کہہ رہا تھا۔ جب وہ دھیمے سے بولی۔

"معاف کر دیں جیسا بھی اس نے کیا ہے اور کبھی میں آپ کو تنگ نہیں کروں گی لیکن آج آپ کو بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا"۔

"کیا....؟"

محبت کو اپنے حصار میں لے کر وہ خود بھی لمحوں میں ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ جبھی زرنشاء نے اس کی شرٹ کے بٹنوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"آج کے بعد آپ کسی لڑکی کو بری نظروں سے نہیں دیکھیں گے"۔

اس کا انداز ایسا تھا کہ شاذل ہنسے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ٹھیک ہے مگر لڑکی تو تین سال بعد قابو میں آئی ہے اس سے پرہیز کرنا ممکن نہیں"۔

"پھر آج تو ہماری سالگرہ بھی ہے اور اس خوبصورت تصور پر تمہیں انعام بھی تو دینا ہے"۔

قطعی شوخ انداز میں کہتے ہوئے وہ ہنسا تو زرنشاء بھی جھینپنے کے باوجود مسکرا دی۔ بے شک محبت اور صبر بھی رائیگاں نہیں جاتے۔ باہر چاندنی رات کے پچھلے پہر کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ دور نیلے آسمان پر ٹمٹماتے ستارے بھی اس وقت ان کے ملن پر شاید یہی بات ایک دوسرے کو بتا رہے تھے۔

ختم

[illegible] رضوی
[illegible] روڈ [illegible] آباد
نوٹ: کتاب سے [illegible]
Ph. 068-5704367